سلسلہ تصوف نمبر ۱۸۲

اردو ترجمہ کتاب

مجمع البحرین

از تصنیف لطیف

شہزادہ والاجاہ معرفت دستگاہ داراشکوہ رحمۃ اللہ علیہ

جسے

مالک اللہ والے کی قومی دکان

ملک چنن الدین خلف ملک فضل الدین ککے زئی تاجر کتب قومی

منزل نقشبندیہ

کوچہ ککے زیاں ___ بازار کشمیری

لاہور

نے

بصرف زر کثیر با محاورہ اردو ترجمہ کرا کر

جمالی پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام حافظ محمد اسمٰعیل پرنٹر کے چھپوائی

بار اول

قیمت ۳ مر

اُردو ترجمہ کتاب



مجمع البحرین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنام[1] آنکہ اُو نامے ندارد   بہر نامیکہ خوانی سر برآرد

یعنی میں اس کتاب کو اُس خدائے ذوالجلال کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کا کوئی (خاص) نام نہیں ہے۔ اُس کو جس نام سے پکارا جائے۔ وہی بلندی مراتب کا باعث ہے۔

سب تعریفیں اُس خدائے وحدہٗ لاشریک کو سزاوار ہیں جس نے اپنے بےنظیر بےمثل رُخِ زیبا پر کفر و اسلام کی دو متضاد صفتوں کی دو زلفیں ظاہر فرمائیں لیکن ان دونوں صفتوں میں سے کسی صفت کا بھی اپنے رُخِ زیبا پر نقاب نہیں ڈالا۔

---

[1] یہ شعر کتاب حدیقۃ الحقیقۃ مصنفہ حکیم سنائی غزنوی سے منقول ہے۔ خود داراشکوہ نے بھی اسی مضمون کی ایک رباعی کہی ہے۔ جو حسب ذیل ہے ؎

یک ذرہ ندیدیم ز خورشید جدا   ہر قطرۂ آب ہست عین دریا
حق را بچہ نام کس بتواند خواندن   ہر نام کہ ہست ہست از اسمائے خدا

یعنی ہم نے کوئی ذرہ بھی خورشید سے جدا نہیں دیکھا۔ پانی کا ہر قطرہ بعینہ دریا ہے خدا تعالیٰ کو کسی خاص نام سے نہیں پکارا جا سکتا۔ کیونکہ (دنیا میں) جس قدر نام ہیں وہ سب در اصل اللہ تعالیٰ ہی کے نام ہیں۔ اسی مضمون کو جامی علیہ الرحمۃ نے حسب ذیل رباعی میں یوں بیان فرمایا ہے ؎

گہ بادہ و گہ جام خوانیم ترا   گہ دانہ و گہ دام خوانیم ترا
جز نام تو بر لوحِ جہاں چیزے نیست   آیا بکدام نام خوانیم ترا

یعنی اے خدا ہم کبھی تجھے شراب، کبھی جام شراب کبھی دانہ اور کبھی جال کے نام سے پکارتے ہیں جبکہ تیرے نام کے سوا دنیا میں کوئی چیز ہی نہیں ہے تو پھر ہم تجھے کس نام سے پکاریں۔

کفر و اسلام در رہش پویاں ✤ وحدہٗ لاشریک گو یاں

یعنی مسلمان اور کافر دونو راہِ خدا میں سعی بلیغ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور دونو ہی خداوند تعالےٰ کو وحدہٗ لاشریک سمجھتے ہیں ✤

ہر ایک چیز میں اُسی کی ذات بابرکات کے کرشمے نظر آتے ہیں۔ اور ہر چیز اُسی سے جلوہ گر ہوئی ہے۔ تمام مخلوقات سے پہلے بھی اسی کی ذات والاصفات موجود تھی۔ اور سب کے اخیر بھی وہی باقی رہیگا۔ اس کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہیگی ✤

رباعی

ہمسایہ و ہمنشین و ہمرہ ہمہ اوست ✤ در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست

در انجمن فرق و نہانخانۂ جمع ✤ باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

یعنی ہمسایہ، ہمنشین اور ساتھی سب اُسی کی ذات کے کرشمے ہیں۔ گداگر کی گودڑی میں اور بادشاہ کے فاخرانہ ریشمی لباس میں اُسی کی ذات ہے۔ واللہ باللہ ثم تاللہ محفلوں اور پردہ خانوں میں بھی اسی کی ذات ہے ✤

اور بےحد و حساب درود و سلام نازل ہو حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی اُس ذات والاصفات پر جس میں صفاتِ الٰہی مکمل طور پر ظہور پذیر ہوئیں۔ اور جن کے طفیل یہ سارا جہان پیدا ہوُا۔ نیز آپ کی آلِ کرام اور اصحاب عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی رحمتِ الٰہی نازل ہو

حمد و صلوٰۃ کے بعد فقیر بے حزن و اندوہ محمد داراشکوہ عرض رساں ہے۔ کہ جب اس خاکسار کو حقیقت الحقائق اور صوفیائے کرام کے مذہب برحق کے رموز و دقائق معلوم ہوگئے۔ اور اس نعمت عظمٰی (ولایت) سے یہ فقیر مشرف ہوگیا۔ تو میں اسبابات کے درپے ہوُا۔ کہ ہندو فقرا (جوگیوں) کا مشرب اور طریقہ بھی دریافت کروں۔ چنانچہ اس قوم (جوگیوں) کے بعض محقق کاملوں کے فیض صحبت سے بارہا فیضیاب ہوُا۔ اور حق شناسی کے متعلق اُن سے مکرر گفتگو ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوُا۔ کہ میں نے اُن

لہ دربار اکبری مصنفہ شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب مرحوم صفحہ ۸۵ سے معلوم ہوتا ہے ابوالفضل نے یہ شعر اُس عمارت کے لئے منتخب کیا تھا جس کی اکبر بادشاہ نے کشمیر میں بنیاد ڈالی تھی۔ کہتے ہیں کہ یہ عمارت ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ تھی ✤

سلہ یہ رباعی حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ کی ہے۔ جو داراشکوہ نے اپنی کتاب حسنات العارفین کے صفحہ ۱۱ پر مولانا موصوف کی شطحیات کے ضمن میں نقل کی ہے ✤

بزرگوں (جوگیوں) کو نہایت ریاضت کش، بڑے سمجھدار اور خدا رسیدہ پایا۔ اور حق شناسی اور معرفت الٰہی کے متعلق صوفیائے کرام اور جوگیوں میں سوائے لفظی اختلاف اور نزاع کے اور کوئی فرق مجھے معلوم نہیں ہوا۔ لہذا میں نے فریقین (صوفیوں اور جوگیوں) کی کلام میں مطابقت پیدا کر کے اور بعض اور اہم باتیں جمع کر کے ایک رسالہ مرتب کیا۔ چونکہ یہ رسالہ ہر دو گروہ کے حقائق و معارف کا مجموعہ ہے۔ اس لئے میں نے اس رسالہ کا نام مجمع البحرین رکھا۔ اکابر صوفیائے کرام کا قول ہے "التصوف ھو الانصاف والتصوف ترك التكليف" یعنی تصوّف انصاف کا نام ہے۔ نیز تصوف اسیات کو کہتے ہیں۔ کہ کسیکو تکلیف نہ پہنچائی جاوے پس اہل انصاف اور عقلمند لوگوں کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ تحقیق حق وہی ہے۔ جو میں نے اس رسالہ میں بیان کی ہے (صوفیائے اسلام و جوگیان اہل ہنود کا معرفت الٰہی میں متحد ہونا)۔

مجھے یقین کامل ہے۔ کہ سلیم الطبع اور سمجھدار لوگ اس (متحدانہ) رسالہ سے نہایت محظوظ ہوں گے۔ اور فریقین کے کج فہم اور کند ذہن لوگ اس (متبرک) رسالہ کے فوائد سے محروم رہیں گے۔ اس رسالہ میں صوفیائے اسلام اور جوگیان ہند کے جس متحدانہ تصوف کی میں نے تحقیق کی ہے۔ یہ میں نے اپنے کشف صحیح کے مطابق محض اپنے اہل بیت (متعلقین) کی خاطر قلمبند کی ہے۔ مجھے فریقین کے عوام اور اہل ظاہر سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ خواجہ[1] عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کا قول ہے "کہ اگر مجھے معلوم ہو جاوے کہ کوئی بہت بڑا مجرم کافر توحید کے متعلق نغمہ سرائی کر رہا ہے۔ تو میں ضرور بالضرور جا کر اس کافر کا نغمۂ توحید سنوں اور اُس کا ممنونِ احسان بن جاؤں"۔ میں اس کتاب کی تیاری میں اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق اور مدد چاہتا ہوں۔

[1] خواجہ ناصر الدین عبید اللہ خواجہ احرار کے لقب سے مشہور ہیں آپ نقشبندی خاندان کے ایک نہایت جلیل القدر صوفی ہو گذرے ہیں۔ آپ سنہ ۸۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور اپنی عمر کا زیادہ حصّہ سمرقند میں بسر کر کے ۲۹ ربیع الاوّل ۸۹۵ھ میں واصل بحق ہوئے۔ ملا علی بن حسین واعظ کاشفی مصنّف تفسیر حسینی نے اپنی کتاب "رشحات عین الحیات" میں خواجہ احرار علیہ الرحمۃ کے حالات زندگی بالتفصیل ذکر کئے ہیں۔ نیز "نفحات الانس" مصنفہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۶۴ و ۳۷۰ میں اور "سفینۃ الاولیا" مصنفہ شاہزادہ محمد دارا شکوہ صفحہ ۱۸۱ میں بھی خواجہ صاحب کے حالات مذکور ہیں۔ نیز دارا شکوہ نے خواجہ احرار کا مذکورہ بالا قول "حسنات العارفین" صفحہ ۳۹ میں بھی نقل کیا ہے۔

ا۔ عناصر کا بیان

جاننا چاہیئے کہ عناصر پانچ ہیں۔ تمام مادی مخلوقات انہی پانچ عنصروں سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ وہ پانچ عناصر یہ ہیں:۔
(۱) عنصرِ اعظم جس کو شریعت کی اصطلاح میں عرش اکبر کہتے ہیں (۲) عنصرِ ہوا۔ (۳) عنصرِ آتش (۴) عنصرِ آب (۵) عنصرِ خاک۔

اِن پانچوں عناصر کو ہندی زبان میں "پانچھ بھوت" کہتے ہیں۔ (۱) اکاس (۲) بائی (۳) تیج (۴) جل (۵) پرتھی۔ اکاس کی تین قسمیں ہیں (۱) بھوت اکاس (۲) من اکاس (۳) چدا کاس۔ بھوت اکاس اس کو کہتے ہیں۔ جو تمام عناصر کو گھیرے ہوئے ہے اور من اکاس اسے بولتے ہیں۔ جو تمام مخلوقات کو محیط ہے۔ اور چدا کاس اُس کو کہتے ہیں۔ جو سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور ہر جگہ موجود ہے۔ چدا کاس (خداوند کریم) برحق اور قدیم ہے۔ قرآن مجید کی کسی آیت اور وید مقدس کے کسی شبد سے چدا کاس کا حادث (توبیدا) ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے چدا کاس سے عشق پیدا ہوا اس عشق کو فقراء ہند کی زبان میں مایا کہتے ہیں۔ چنانچہ یہ حدیث بھی اسی کی موید ہے (یعنی خدا تعالےٰ فرماتا ہے) کہ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا۔ پھر مجھے اسیات کا عشق لاحق ہوا کہ دنیا میری معرفت حاصل کرے۔ اس لئے میں نے مخلوقات کو پیدا کیا)۔

عشق سے روح اعظم (جیو آتما) پیدا ہوئی۔ اسی روح اعظم کو حقیقت محمدی کہتے ہیں۔ اور یہ سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی رُوح کلّی کی طرف اشارہ ہے فقراء ہند اس کو "ہرن گربھ" اور "آوستھات آتما" کہتے ہیں۔ جو کہ مرتبۂ اعظمیت کی طرف اشارہ ہے۔

اکاس یا عنصرِ اعظم کے بعد دوسرا عنصر ہوا ہے۔ عنصرِ ہوا کو نفس الرحمٰن (خدا کا سانس) بھی کہتے ہیں۔ اس نفس الرحمٰن سے ہوا پیدا ہوئی۔ جب یہ نفس الرحمٰن خداوند تعالےٰ کی ذاتِ اقدس میں بند ہو کر گرم بن کر نکلا۔ تو اس سے عنصرِ آتش پیدا ہوا۔ اور جب نفس الرحمٰن میں رحمانیت (مہربانی) اور اتحاد کی صفات پیدا ہوئیں تو عنصرِ آتش سرد ہو گیا۔ اور اُس سے عنصرِ آب پیدا ہو گیا۔ لیکن چونکہ عنصرِ باد و آتش

نہایت لطیف ہونے کے باعث نظر نہیں آتے اور عنصر آب اُن دونوں کی نسبت کثیف ہونے کی وجہ سے نظر آتا ہے۔ لہذا عنصر آب کے محسوس ہونے (نظر آنے) کے باعث بعض صوفیائے کرام اس بات کے قائل ہیں۔ کہ پہلے عنصر آب پیدا ہوا۔ پھر عنصر خاک۔ جیسے کہ دودھ کو جوش دیا جاوے۔ تو اس پر جھاگ یا ملائی آجاتی ہے اسی طرح عنصر خاک گویا عنصر آب کی جھاگ ہے ؎

چہ دانستم کہ ایں دریائے بے پایاں چناں باشد
بخارش آسماں گردد کفِ دریا زمیں باشد

یعنی مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ یہ دریا ایسا بے پایاں ہوگا۔ کہ اس کے بخارات آسمان بن جاوینگے اور جھاگ زمین کی شکل اختیار کرے گی۔

؎

یک قطرہ چو بیضہ جوشیدہ گشت دریا
کف کرد کف زمین شد زود دُود سماء شد

یعنی اُبلے ہوئے انڈے کی طرح ایک قطرہ دریا ہو گیا۔ اُس دریا پر جھاگ آئی تو وہ زمین بن گئی۔ اور بخارات اُڑنے لگے تو وہ آسمان بن گئے۔ یہ تو عناصر کی پیدائش کا ذکر تھا۔ لیکن جب قیامت کبریٰ قائم ہوگی جس کو ہندی زبان میں "مہا پرلی" کہتے ہیں۔ تو پیدائش کے برعکس معاملہ ہوگا۔ یعنی عنصر خاک جو کہ سب عناصر کے بعد پیدا ہوا تھا۔ وہ قیامت کے روز سب سے پہلے فنا ہوگا۔ بایں طور کہ عنصر خاک عنصر آب میں ڈوب جائیگا۔ اُس کے بعد عنصر آب اس طرح فنا ہو جائیگا کہ اس کو عنصر آتش خشک کر دیگا۔ بعد ازاں عنصر آتش اس طرح فانی ہو جائیگا کہ عنصر باد اس کو ٹھنڈا کر دے گی۔ اور عنصر باد روح اعظم (حقیقت محمدی) کے ساتھ مل کر "مہا اکاس" (روئے باریتعالیٰ) میں فنا ہو جائیگا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ یعنی روئے خداوندی کے سوا باقی تمام اشیا فنا ہو جائیں گی۔ نیز ارشاد خداوندی ہے۔

یعنی جو کچھ روئے زمین پر موجود ہے۔ سب فنا ہو جائیگا۔ اور باقی صرف خدائے ذوالجلال کا روئے زیبا رہ جائیگا۔ یہی خدا تعالےٰ کا رُخ زیبا فقراء ہند کی زبان میں "مہا اکاس" کہلاتا ہے۔ یہ ہر دو آیات جو تمام اشیا کے فانی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں وجہ کی قید لگائی گئی ہے۔ یہی وجہ (روئے باری تعالےٰ) ہندی زبان میں "مہا اکاس" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ورنہ مہا اکاس

فنا نہیں ہوگا۔ اگر یہ بھی فانی ہوتا۔ تو خدا تعالےٰ یوں ارشاد فرماتا کُلُّ شَیٍٔ ھَالِکٌ اِلَّا ھُوَ
یعنی خدا تعالےٰ کی ذات کے سوا ہر چیز فناء ہو جاویگی۔ پس ثابت ہُوا کہ ان ہر دو آیات
میں وجہ (روئے خدا تعالےٰ) کی قید مہا اکاس کو باقی ثابت کرنے کے لئے لگائی گئی
ہے۔ کیونکہ مہا اکاس گویا خداوند تعالےٰ کی ذات مقدس کا ایک بدن لطیف ہے۔

عنصر خاک کو ہندی زبان میں "دلوی" کہتے ہیں۔ تمام اشیا اس دلوی سے
پیدا ہوئیں۔ اور پھر اُسی میں فنا ہو جائینگی۔ چنانچہ یہ آیت قرآنی اس کی موید ہے۔
یعنی مٹی سے
ہی ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ اور اسی مٹی میں تمہیں پھرلے جاوینگے (موت دیدینگے)
اور اسی مٹی سے دوبارہ زندہ کرینگے (بروز قیامت)۔

۲۔ حواس کا بیان

عناصر کی طرح حواس بھی پانچ ہیں (۱) شامہ (سونگھنے کی حس و قوت) (۲) ذائقہ
(چکھنے کی حس) (۳) باصرہ (دیکھنے کی قوت) (۴) سامعہ (سننے کی قوت) (۵) لامسہ
(ٹٹولنے اور چھونے کی حس) ان حواس خمسہ کو ہندی زبان میں "پنج اندری" کہتے
ہیں۔ (۱) گھران (قوت شامہ) (۲) رسنا (قوت ذائقہ) (۳) چچھہ (قوت باصرہ)
(۴) سروتر (قوت سامعہ) (۵) ٹوک (قوت لامسہ) اور جو اشیا ان حواس خمسہ سے
محسوس ہوتی ہیں۔ ان کو ہندی زبان میں گندھ (سونگھی ہوئی چیز) رس (چکھی ہوئی
چیز) روپ (دیکھی ہوئی شے) سبد (سنی ہوئی چیز) سپرش (چھوئی ہوئی چیز)
کہتے ہیں۔

ان حواس خمسہ میں سے ہر ایک حواس عناصر خمسہ میں سے ایک ایک عنصر کی
جنس ہے۔ اور اسی کی طرف منسوب ہے۔ چنانچہ قوت شامہ عنصر خاک کی طرف منسوب
ہے۔ کیونکہ عناصر خمسہ میں سے خاک ہی ایک ایسا عنصر ہے جس کی بو محسوس ہوتی
ہے۔ اور اس بو کا احساس قوت شامہ کرتی ہے۔ اور ذائقہ عنصر آب کی طرف
منسوب ہے۔ چنانچہ عنصر آب (لعاب کی شکل میں) زبان میں پایا جاتا ہے۔ اور قوت
باصرہ عنصر آتش کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ جیسا کہ عنصر آتش میں نور (روشنی) پائی جاتی
اسی طرح قوت باصرہ میں بھی نور البصر (آنکھ کی روشنی) پائی جاتی ہے۔ جس کے ذریعے

آنکھیں اشیا کا رنگ روپ و بوجھ سکتی ہیں۔ قوت لامسہ عنصر باد سے مناسبت رکھتی ہے کیونکہ جس قدر اشیا ملموس (ٹٹولی) ہوتی ہیں۔ وہ سب ہوا کے ذریعے سے ہی ٹٹولی جاتی ہیں۔ اور قوت سامعہ عنصر اعظم کی طرف منسوب ہے جس کو فقراء ہند مہا اکاس (رُخ باری تعالےٰ) کہتے ہیں۔ قوت سامعہ کے ذریعے آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اور کانوں کے ذریعے سے ہی اہل دل (اولیاء اللہ و فقراء ہند) پر "مہا اکاس" کی حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ دوسرا کوئی حواس اس کی حقیقت پر مطلع نہیں ہوسکتا۔ اور یہ (مہا اکاس اور وجہ اللہ کی شناخت کا) ایک ایسا شغل (وظیفہ) ہے جو صوفیائے اسلام و فقراء اہل ہند کا مشترکہ معمول ہے صوفیائے کرام اس شغل کو "شغل پاس انفاس"[1] کہتے ہیں اور فقرائے ہند اپنی اصطلاح میں اس کو "دھن" بولتے ہیں ۔

یہ تو حواس خمسہ ظاہری کا ذکر تھا۔ اب جاننا چاہیئے کہ حواس باطنی بھی پانچ ہی ہیں۔ حس مشترک۔ متخیلہ۔ متفکرہ۔ حافظہ۔ واہمہ۔ اہل ہند کے نزدیک حواس چار عدد ہیں۔ بدھ۔ من۔ اہنکار۔ چت۔ ان چاروں کے مجموعہ کو "انتہ کرن" کہتے ہیں۔ یہ انتہ کرن گویا پانچوں حواس (واہمہ) کے جا بجا ہیں۔ چت میں ایک عادت پائی جاتی ہے جس کو ہندی زبان میں "ست پرکرت" کہتے ہیں۔ یہ عادت (ست پرکرت) چت کے پاؤں کے جابجا ہے۔ اگر یہ عادت مفقود ہو جاوے تو چت معطل و بیکار ہو جاتا ہے ۔

پہلا حواس بدھ۔ "بدھ" عقل کو کہتے ہیں۔ بدھ کا یہ کام ہے۔ کہ انسان کو نیکی کی ہدایت کرتی ہے۔ اور بدی سے منع کرتی ہے ۔

دوسرا حواس من۔ "من" ہندی میں دل کو کہتے ہیں۔ من میں دو قوتیں پائی جاتی ہیں۔ (۱) سنکلپ یعنی کسی کام کا ارادہ کرنا (۲) بکلپ یعنی ارادہ کو توڑ دینا ۔

تیسرا حواس چت۔ "چت" دل کے قاصد کو کہتے ہیں جس کا کام یہ ہے کہ وہ ہر طرف بلا امتیاز بھلائی اور برائی کے دوڑتا پھرتا ہے ۔

چوتھا حواس اہنکار۔ "اہنکار" کے معنی ہیں۔ اشیاء کو اپنی طرف منسوب کرنیوالا اہنکار در اصل پرماتما (خدا) کی ایک صفت ہے۔ جو اس کو بذریعہ مایا (عشق) لاحق

---

[1] بوڈلین آکسفورڈ کی لائبریری میں ایک کتاب موسومہ "رسالۂ پاس انفاس" مصنفہ مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ موجود ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو وہ فہرست کتب خانہ ہذا ص ۱۱۰۳ جو کہ زخو اور ایتھی نے مرتب کی ہے ۔

ہوئی ہے۔ اہنکار کی تین قسمیں ہیں۔ ساتگ۔ راجس۔ تامس۔ اہنکار ساتگ۔ یعنی گیان سروپ ایک اعلیٰ ترین صفت ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ پرماتما کہتا ہے کہ جو کچھ بھی ہے وہ سب میرا ہی ظہور ہے۔ یہ مرتبہ اور صفت تمام اشیا کو کلی طور پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے اَلَا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ۔ یعنے ہوشیار رہو کہ خدا تعالیٰ ہی تمام اشیا کا احاطہ کرنے والا ہے۔ نیز ارشاد باری ہے ھو الاول والاخر والظاھر والباطن۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی اول ہے اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے۔

اور "اہنکار راجس"۔ اہنکار ساتگ اور اہنکار تامس کے مابین اوسط درجہ کی صفت ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں۔ کہ جیو آتما کو ملحوظ رکھتے ہوئے خداوند تعالیٰ یہ کہتا ہے کہ میری ذات بدن اور عناصر سے پاک ہے۔ جسمانیت کو مجھ سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ یعنی خدا تعالیٰ کی مانند کوئی چیز نہیں ہے۔ نیز ارشاد خداوندی ہے اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ یعنی خداوند تعالیٰ ظہور عالم سے بے نیاز و بے پرواہ ہے۔

"اہنکار تامس"۔ اہنکار راجس و اہنکار ساتگ سے ادنیٰ درجہ کی صفت ہے۔ اہنکار تامس کو ہندی میں اودیا یعنی مرتبہ عبودیت (بندگی) کہتے ہیں۔ اس صفت کے ادنیٰ ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ انسان نہایت عجز و انکسار سے اپنے آپ کو نادان اور غافل سمجھے اور اپنی چند روزہ (محسوس دنیاوی زندگی) کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہے۔ کہ مجھ میں اور تجھ میں بہت بڑا فرق ہے۔ تیری ذات اقدس وحدہٗ لاشریک ہے اور میں بندۂ پرگناہ ہوں۔ چنانچہ اسی مضمون کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہہ دیجئے کہ لوگو! میں بھی تو تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ لشٹ کہتا ہے کہ جب حضرت وجود نے متعین ہونا چاہا۔ تو محض اس ارادہ سے وہ پرم آتما ہو گیا۔ جب اس کا تعین اور بڑھ گیا۔ تو اہنکار بن گیا۔ اور جیسا ور ذرا تقید اس میں بڑھ گیا۔ تو وہ مہاتت (عقل کل) کے نام سے موسوم ہوا۔ سنکلپ (عزم مصمم) اور مہاتت سے من یعنی دل بنا۔ دل کو ہندی میں پرکرت بھی بولتے ہیں۔ اور سنکلپ و من سے پنج گیان اندری (حواس خمسہ ظاہری) پیدا ہوئے۔ اور سنکلپ اور ان پنج گیان اندری سے تمام اعضاء جسمانی پیدا ہوئے۔ ان سب کے مجموعہ کو بدن یا سریر کہتے ہیں۔ پس پرم آتما

کا مظہر اول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور مظہر ثانی حضرت روح القدس (جبرائیل علیہ السلام) ہیں پرماتما نے یہ تمام تقیدات (مخلوقات) خود بخود پیدا کئے ہیں۔ اور اپنے آپ کو خود ہی ان تقیدات سے وابستہ کیا ہے۔ جیسا کہ ریشم کا کیڑا ریشم کی تاریں اپنے لعاب دہن سے نکال نکال کر ان میں اپنے آپ کو لپیٹ لیتا ہے۔ اسی طرح خداوند تعالےٰ نے یہ تمام وہمی قیود از خود پیدا کر کے اپنے آپ کو ان میں ظاہر فرمایا ہے جیسا کہ درخت کا بیج اپنے اندر سے ایک درخت نمودار کرتا ہے۔ اور پھر اُسی درخت میں خود بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ بلکہ تمام شاخوں، پتوں اور پھولوں میں بھی اسی کا بیج ظہور ہوتا ہے۔ پس اسی طرح سمجھ لو کہ خداوند تعالےٰ جہان پیدا ہونے سے پیشتر اپنی ذاتِ اقدس میں مخفی تھا۔ اور ظہور عالم کے بعد تمام جہان میں پوشیدہ ہے ؎

سوشغل کا بیان

فقراء ہند کے نزدیک بہت سے اشغال ہیں۔ لیکن سب سے بہتر شغل ان کے نزدیک "اجپا" کا شغل ہے۔ یہ شغل اجپا اس قسم کا شغل ہے۔ کہ تمام جانداروں سے ہمیشہ اور ہر وقت خواب و بیداری میں قصداً اور بلا قصد صادر ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

یعنی در حقیقت ہر ایک چیز خدا تعالےٰ کی حمد و تسبیح میں مشغول ہے۔ لیکن ان کی یہ حمد و تسبیح تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتی ؎

الغرض شغل اجپا کا یہ طریقہ ہے۔ کہ فقراء ہند سانس کی آمد و رفت کو دو لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی جب سانس باہر آتا ہے۔ تو اس وقت لفظ "او" کہتے ہیں۔ اور جب سانس اندر جاتا ہے۔ تو لفظ "منّ" کہتے ہیں۔ جس کا مجموعہ اونم ہو جاتا ہے اور صوفیائے اسلام بجائے اونم کے "ہو اللہ" کا شغل کرتے ہیں۔ یعنی جب سانس باہر جاتا ہے۔ تو "ہو" کہتے ہیں۔ اور جب اندر جاتا ہے۔ تو "اللہ" کہتے ہیں۔ یہ دو تو لفظ (ہو اللہ) ہر جاندار سے ہر وقت بلا قصد و اختیار صادر ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس کو اس بات کی خبر بھی نہ ہوتی ؎

سلہ مولانا محمود شبستری اپنی کتاب گلشن راز میں تحریر فرماتے ہیں ؎

نہ آخر واجب آمد نیز ہستی   کہ ہستی کرد او را زیر دستی

۴۔ صفاتِ الٰہی کا بیان

صوفیائے کرام کے نزدیک خدا تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں۔ جمال اور جلال۔ تمام مخلوقات اِن دونو صفات کے ماتحت ہے۔ اور فقراءِ ہند کے نزدیک صفاتِ الٰہی تین ہیں۔ جن کے مجموعہ کو "ترگن" کہتے ہیں۔ ست۔ رج۔ تم۔ ست کے معنی ایجاد۔ اور رج کے معنی اِبقاء (باقی رکھنا) اور تم کے معنی افناء (نابود کرنا) ہیں۔ صوفیائے کرام ابقاء کی صفت کو جمال میں داخل سمجھتے ہیں۔ چونکہ یہ تینوں صفاتِ الٰہی ایک دوسری میں مندرج ہیں۔ لہٰذا فقراءِ ہند ان تینوں صفات کو دوسرے لفظوں میں ترمورتی بولتے ہیں۔ اور الگ الگ ہر ایک صفت کو علے الترتیب برہما۔ بشن اور مہیش کہتے ہیں۔ اور صوفیائے عظام کی اصطلاح میں جبرائیلؑ۔ میکائیلؑ اور اسرافیلؑ بولتے ہیں۔ برہما (جبرائیلؑ) ایجادِ عالم کا مؤکل ہے۔ اور بشن (میکائیلؑ) ابقاءِ عالم کا مؤکل ہے۔ اور مہیش (اسرافیلؑ) افناءِ عالم کا مؤکل ہے۔ عنصر آب و باد و آتش بھی الٰہی مؤکلوں کی طرف منسوب ہیں۔ عنصر آب جبرائیل علیہ السلام کی طرف۔ اور عنصر باد اسرافیلؑ کی طرف اور عنصر آتش میکائیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ اور یہ تینوں اشیاء (آب باد۔ آتش) تمام جانداروں میں پائی جاتی ہیں۔ برہما کی صفت جو کہ عنصر آب سے مناسبت رکھتی ہے۔ جانداروں کی زبان میں پائی جاتی ہے۔ جس کے ذریعے وہ جاندار بولتے ہیں۔ اور یہی صفت برہما کلامِ الٰہی کی مظہر ہے۔ اور صفتِ بشن جو کہ عنصر آتش سے مناسبت رکھتی ہے۔ جانداروں کی آنکھوں میں پائی جاتی ہے۔ اسی صفتِ بشن کی بدولت روشنی۔ نور اور بینائی ظہور پذیر ہوئی۔ اور صفتِ مہیش جو کہ عنصر باد کی طرف منسوب ہے۔ جانداروں کے ناک میں پائی جاتی ہے۔ اس صفت کے ذریعے ہی جانداروں کے سانس کی آمد و رفت ہے۔ یہ سانس کی آمد و رفت دو نفخۂ صور کی جا بجا ہے۔ جب سانس کی آمد و رفت کا یہ سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ تو جاندار فانی اور مُردہ ہو جاتا ہے۔ ترگن خدا تعالیٰ کی تین صفات کا نام ہے۔ وہ تین صفات ایجاد۔ ابقا اور افناء ہیں۔ ان تین صفات کے نام برہما۔ بشن اور مہیش ہیں۔ جن کے صفات تمام مخلوقات میں ظاہر ہیں۔ پہلے مخلوق پیدا ہوتی ہے۔ پھر ایک معین مدت تک باقی رہ کر نابود ہو جاتی ہے۔ ان تینوں صفات کی قدرت "شکت" کہلاتی ہے۔

شکت کو تردیوی بولتے ہیں۔ اُس شکت سے ترموُرت یعنی برہما۔ بشن اور مہیش پیدا ہوئے اور تردیوی سے یہ تین چیزیں پیدا ہوئیں۔ (۱) سرستی (۲) پاربتی (۳) لچھمی۔ سرستی رجوگن اور برہما سے تعلق رکھتی ہے۔ اور پاربتی تموگن اور مہیش سے تعلق رکھتی ہے۔ اور لچھمی "ست گن" اور بشن سے تعلق رکھتی ہے +

۵۔ رُوح کا بیان

روح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مطلق روح۔ دوسری ابوالارواح۔ فقراءِ ہند مطلق روح کو "آتما" اور ابوالارواح کو "پرماتما" کہتے ہیں۔ جب ذات باری تعالےٰ لطافت یا کثافت سے متعین اور مقید ہوتی ہے۔ تو وہ مجرّد اور لطیف ہونے کے باعث روح اور آتما کہلاتی ہے۔ اور جسمانی اور کثیف ہونے کی وجہ سے سریر (بدن) کہلاتی ہے۔ اور جو ذات کہ ازل میں متعین ہو گئی۔ اُس کو روحِ اعظم بولتے ہیں۔ یہ روحِ اعظم ذات مجمع الصفات کے ساتھ یگانہ صفت ہے۔ اور جس ذات میں تمام ارواح داخل ہیں۔ اُسے پرماتما اور ابوالارواح کہتے ہیں۔ پانی اور موج کی مثال بدن اور روح یا سریر اور آتما کی سی ہے۔ اور تمام موجوں کے مجموعہ کی مثال کلی طور پر ابوالارواح اور پرماتما کی سی ہے۔ اور محض پانی کی مثال حضرتِ وجود شدھ اور چیتن کی سی ہے +

۶۔ ہوا کا بیان

جو ہوا بدنِ انسان میں حرکت کرتی ہے۔ جب وہ پانچ جگھوں میں پہنچتی ہے۔ تو وہ پانچ ہی ناموں سے موسوم ہو جاتی ہے۔ پران۔ اپان۔ سمان۔ اودان۔ ویان۔ "پران" وہ ہوا ہے جو ناک سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک سرایت کئے ہوئے ہے سانس کی آمد و رفت اسی ہوا کی خاصیت ہے۔ "اپان" وہ ہوا ہے۔ جو نشستگاہ (چوتڑوں) سے لیکر آلۂ تناسل تک حرکت کرتی ہے۔ یہ ہوا ناف کے گرداگرد بھی پھرتی رہتی ہے۔ اور انسان کی زندگی اسی ہوا پر منحصر ہے۔ "سمان" وہ ہوا ہے جو سینہ اور ناف میں حرکت کرتی ہے۔ "اودان" وہ ہوا ہے۔ جو حلق سے لے کر اُمّ الدماغ تک پھرتی رہتی ہے "ویان" وہ ہوا ہے۔ جو انسان کے تمام ظاہری باطنی اعضا میں بھری ہوئی ہے +

چار عالموں کا بیان

تمام مخلوقات کو عالموں میں بانٹا گیا ہے۔ اور اہل تصوف نے عالم (عالموں) کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض صوفیائے کرام کے نزدیک عوالم پانچ ہیں۔ عالم ناسوت عالم ملکوت۔ عالم جبروت۔ عالم لاہوت۔ عالم مثال۔ اور بعض صوفیائے عظام کے نزدیک عالم چار ہیں۔ ان کے نزدیک عالم مثال کوئی الگ عالم نہیں ہے۔ بلکہ وہ عالم ملکوت کو ہی عالم مثال قرار دیتے ہیں۔

فقرائے ہند (جوگیوں) کے نزدیک بھی عالم چار ہی ہیں۔ جاگرت[1]۔ سپن[2]۔ سکھوپت[3] تریا[4]۔ جاگرت "برابر عالم ناسوت" عالم ظاہری و عالم بیداری کو کہتے ہیں۔ "سپن" یا "عالم ملکوت" عالم ارواح و عالم خواب کو بولتے ہیں۔ "سکھوپت" یا "عالم جبروت" اس عالم کو کہتے ہیں جس میں مذکورہ بالا ہر دو عالم کے نقوش اور میرے تیرے کا امتیاز نہ ہو۔ یہ عالم آنکھیں بند کرکے بھی دکھائی دے سکتا ہے۔ اور آنکھیں کھلی رکھ کر بھی۔ بہت سے فقراء کو اس عالم (عالم جبروت) کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ سردار صوفیائے کرام حضرت جنید[1] بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "کچھ دیر بے تیمار بیٹھنے کا نام تصوف ہے" شیخ الاسلام[2] نے حضرت جنید بغدادی سے دریافت کیا کہ بے تیمار کسے کہتے ہیں؟

---

[1] حضرت ابو القاسم بن محمد بن الخراز القواریری بغداد کے نہایت مشہور و معروف صوفی بزرگ ہو گزرے ہیں۔ آپ حضرت سری سقطیؒ کے بھتیجے اور حضرت امام شافعیؒ کے شاگرد رشید تھے۔ شہر بغداد میں ۲۹۷ھ مطابق ۹۱۰ء میں آپ اصل بحق ہوئے۔ اگر آپ کے حالات مفصل طور پر دیکھنے منظور ہوں۔ تو ملاحظہ ہو نفحات الانس ص۸۰ اور تذکرۃ الاولیاء مؤلفہ ڈاکٹر نکلسن جلد دوم ص۵ تا ۳۶۔ حضرت جنید بغدادی کا یہ قول اس کتاب میں منقول ہے۔ یہ نفحات الانس ص۸ میں بعد تشریح شیخ الاسلام کے موجود ہے۔ غالباً دارا شکوہ نے یہ قول نفحات الانس سے ہی نقل کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جنید بغدادی کا یہ قول دارا شکوہ کو نہایت پسند تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دارا شکوہ نے یہ قول اپنی تین کتابوں میں درج کیا ہے (۱) رسالۂ حق نما ص۶۱ مطبوعہ نولکشور (۲) حسنات العارفین ورق ۵ ب۔ نسخہ قلمی موجودہ پنجاب لائبریری (۳) سکینۃ الاولیاء ص۲۶ ترجمہ اُردو مطبوعہ لاہور۔

[2] شیخ الاسلام سے مراد یہاں ابو اسمٰعیل عبد اللہ بن محمد انصاری ہروی ہیں۔ جو مورخہ ۲ شعبان ۳۹۶ھ مطابق ۱۰۰۶ء ہرات میں پیدا ہوئے۔ آپ نے چند رسالے تصنیف فرمائے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ مشہور اور مقبول رسالہ "مناجات" ہے۔ آپ نے ایک کتاب طریقت کی تبلیغ۔ وعظ علم حال، اور سیرت صوفیائے کرام کے موضوع پر لکھی ہے جس کا نام آپ نے طبقات عبد اللہ انصاری

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ جو تم بار اس کو کہتے ہو کہ مطلوب تلاش کیا جاوے اور ان ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے بغیر ہی اس کا پتہ ہو جاتا ہے کیونکہ دیدار مطلوب کا باعث تو دیکھنے والا طلب ہے (اگر اس فنا تلاش میں) اپنے نیتجہ اپنے کے یہی معنی ہیں کہ اس وقت عالم ناسوت و عالم ملکوت کے نقوش کا دل میں گذر نہ ہونے پائے حضرت مولانا روم نے بھی حسب حال ابیات میں اسی (قول جنید کی) طرف ارشاد فرمایا ہے ؎

خواہی کہ بیابی یک لحظہ مجویش — خواہی کہ بدانی یک لحظہ مدانش
چوں در نہانش جوئی دوری ز آشکارش — چوں آشکار جوئی محجوبی از نہانش
چوں آشکار و پنہاں بیروں شوی بہر آں — پا ہا دراز میکن خوش خسپ در امانش

یعنی اے طالب (اگر تم مطلوب حقیقی (خدا وند تعالے) تک رسائی چاہتے ہو۔ تو اس کو اس ظاہری تلاش سے مت ڈھونڈو۔ نیز اگر تم اس کی معرفت کے طالب ہو تو ان ظاہری طریقوں سے اس کی معرفت کو حاصل نہ کرو۔ اگر تم اس کو باطنی طور پر (عالم ملکوت) میں تلاش کرو گے۔ تو اس کا نتیجہ بس اسی قدر ہے۔ کہ تم عالم ناسوت سے دور اور بیخبر ہو جاؤ گے۔ اسی طرح اگر تم اس کو ظاہری طور پر (عالم ناسوت میں) ڈھونڈو گے تو باطن (عالم ملکوت) سے دور ہو جاؤ گے۔ لیکن اگر تم ظاہر و باطن (عالم ناسوت و عالم ملکوت) سے نکل کر برہان اور دلیل کے ذریعے عارف الٰہی بن جاؤ گے۔ تو پھر تم پاؤں پھیلا کر (بے فکر ہو کر) پناہ خداوندی میں میٹھی نیند سو جاؤ۔ ثریا، یا عالم لاہوت ذات باریتعالے کو کہتے ہیں۔ جو کہ مذکورۃ الصدر سب عالم کو محیط اور شامل ہے۔ اور ان کا عین ہے۔ اگر انسان کی سیر عالم ناسوت سے عالم ملکوت تک اور عالم ملکوت سے عالم جبروت تک۔ اور عالم جبروت سے عالم لاہوت تک ہو۔ تو یہ انسان کی ترقی ہے۔ اور اگر حضرت حقیقت الحقائق (جس کو فقراء ہستہ او ستی بولتے ہیں) مرتبہ لاہوت سے نزول فرماوے۔ اور عالم جبروت و ملکوت سے گزر جاوے۔ تو اس کی سیر عالم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) رکھا ہے یہ کتاب نادر الوجود ہے صرف ایک قلمی نسخہ بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فارسی کی قلمی کتابوں کی فہرست متعلقہ لائبریری مذکور المصدر صفحہ ۸۳-۴۸ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نفحات الانس زیادہ تر اپنی کتاب طبقات شیخ الاسلام مذکور سے اخذ کی ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح مولانا موصوف نے نفحات الانس کے دیباچہ میں فرما دی ہے۔ شیخ الاسلام کی وفات حسرت آیات ۴۸۱ھ مطابق ۱۰۸۸ء میں واقع ہوئی +

ناسوت پر جا کر ختم ہو جائینگی۔ اور یہ جو نزول کے درجے بعض صوفیوں نے چار اور بعض نے پانچ قرار دئے ہیں۔ وہ اسی سر حقیقت الحقائق کی طرف اشارہ ہے۔

۸۔ آواز کا بیان

آواز اُسی نفس الرحمٰن (خدا کی سانس) سے پیدا ہوئی ہے۔ جو کہ ایجادِ عالم کے وقت لفظ کُن[1] سے ظاہر ہوئی۔ اسی خدائی آواز کو فقراء ہند سرستی کہتے ہیں۔ باقی تمام آوازیں اور صدائیں اسی آواز (سرستی) سے پیدا ہوئی ہیں۔

ہر کجا بشنوی چو نغمۂ اوست   کہ شنید ایں چنیں صدائے دراز

یہ آواز جو ناد کے نام سے موسوم ہے۔ موحدانِ ہند (ہندو فقراء) کے نزدیک تین قسم کی ہے۔ (۱) "اناہت" یعنی وہ آواز جو گذشتہ زمانے میں بھی تھی۔ اب بھی ہے اور آئندہ زمانہ میں بھی رہیگی۔ صوفیائے کرام اس آواز کو آوازِ مطلق اور سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ یہ آوازِ مطلق قدیم ہے۔ مہاکاس اسی آواز سے محسوس ہوتا ہے۔ اور اس آواز کو ہر دو گروہ (صوفیا و جوگیاں) کے بہت بڑے بڑے لوگ ہی پہنچ سکتے ہیں۔

(۲) "آہت" یعنی وہ آواز جو کسی چیز کو دوسری چیز پر مارنے سے بلا ترکیب الفاظ پیدا ہوتی ہے۔

(۳) "سبد" یعنی وہ آواز جو الفاظ کی ترکیب سے پیدا ہوتی ہے۔ آوازِ سبد کو "سرستی" سے مناسبت ہے۔ اسی آوازِ سبد سے اہلِ اسلام میں اسمِ اعظم اور فقراء ہند میں "بیدمکھ" یعنی اوم[2] ظاہر ہوا ہے۔

---

[1] یہ جہان (دنیا) محض ارادۂ خداوندی سے لفظ "کُن" کے ذریعے ظہور پذیر ہوا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے یعنی خداوند کریم ہی زمین و آسمان کا خالق ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے۔ تو کہہ دیتا ہے کہ کُن (ہو جا)، پس وہ کام ہو جاتا ہے۔

[2] "اوم" ہندوؤں کے ہاں ایک نہایت متبرک لفظ ہے جو ان کی مذہبی کتابیں شروع کرنے سے پہلے پڑھا جاتا ہے۔ متبرک ہونے کی وجہ سے ہی اہلِ ہنود اس لفظ کو زبان پر لاتے وقت اپنا منہ ہاتھ سے بند کر لیتے ہیں۔ لیکن ابھی تک یہ تحقیق نہیں ہوئی۔ کہ "اوم" کے مخصوص معنی کیا ہیں۔ بعض فقراء ہند کے نزدیک یہ لفظ (اوم) تین لفظوں (ادیتی۔ ورنا۔ متترا) کا مخفف ہے۔ یعنی ان ہر سہ الفاظ کا پہلا حرف (ا۔ و۔ م) لیکر ان کے مجموعہ سے "اوم" کا لفظ بنتا ہے۔ پس اس کے یہ معنی ہوئے کہ وہ خداوند کریم جو پیدا کرنیوالا۔ بود کرنے والا اور نابود کرنیوالا ہے۔ دارا شکوہ نے "اپنکھت" کے ترجمہ میں قرآن کریم کو اوم الکتاب لکھا ہے۔

فقراءِ ہند کے ہاں اس اسم اعظم (اوم) کے یہ معنیٰ ہیں[1]۔ کہ خداوند تعالےٰ ہی ہر سہ صفات (ایجاد۔ ابقاء۔ افناء) کا صاحب ہے۔ اور فتحہ (زبر) ضمہ (پیش) اور کسرہ (زیر) جن کو ہندی زبان میں اکار۔ وکار اور مکار کہتے ہیں۔ اسی اسم اعظم (اوم) سے پیدا ہوئے ہیں۔ اسی اسم کی فقراءِ ہند کے نزدیک ایک خاص صورت ہے۔ جو کہ ہمارے اس اسم اعظم سے پورے طور پر مشابہت رکھتی ہے۔ اس اسم میں بھی عناصرِ خمسہ (ذاتِ الٰہی۔ عنصرِ آب و آتش و خاک و باد) ظاہر ہیں ◆

[1] جیسا کہ لفظِ (اوم) کے متعلق یہ بات محقق نہیں ہوئی۔ کہ اس کے خاص معنیٰ کیا ہیں۔ اسی طرح اسم اعظم کی تعیین کے متعلق بھی کوئی فیصلہ شدہ بات نہیں ہے۔ کہ اسم اعظم خاص طور پر کونسا اسم ہے۔ بلکہ اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اسم اعظم (الحیّ) ہے۔ اور بعض کہتے ہیں (القیّوم) ہے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ (الرحمٰن) اور اور بعض کے نزدیک (الرحیم) ہے۔ کتاب آصف اللغات مصنفہ شمس العلماء احمد عبدالعزیز نائطی عزیز یار جنگ بہادر صفحہ ۲۶۸۴ میں لکھا ہے۔ کہ اسم اعظم بقول بحر و غیاث خدا تعالےٰ کے تمام اسماء میں سے بزرگترین اسم ہے۔ اور اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اللّٰہ اور بعض کے نزدیک صمد اور بعض کے نزدیک الحی القیّوم اور بعض کے نزدیک الرحمٰن الرحیم اور بعض کے نزدیک مُھَیمِنُ ہے۔ کتاب "آنند" کا مصنف بحوالہ کشف اللغات لکھتا ہے۔ کہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے نزدیک اسم اعظم ھُوَ ہے۔ جو کہ سب سے پہلے عزّت کے پردوں میں سے ظاہر ہوا۔ اور ھُوَ ایک حرف ہے۔ واو ضمہ (پیش) کی درازی سے پیدا ہو گیا ہے۔ اور وہ اسم ذاتِ مطلق ہے۔ نہ معلول ہے۔ نہ کسی لفظ سے مشتق ہے۔ ھُوَ اسم اللّٰہ کا آخری حرف ہے۔ جو طریقِ عبادت تمام اسماء الٰہی میں ہے۔ وہ اس اسم میں بطور اشارہ موجود ہے ◆

کہتے ہیں۔ کہ اسم ھُوَ تمام اسماء کی اصل اور جڑ ہے۔ جیسا کہ سورۂ فاتحہ اُمّ الکتاب ہے۔ حضرت عبدالرزاق کاشی رحؒ نے اسم اعظم کے معنیٰ کے متعلق یہ دو بیت ارشاد فرماتے ہیں ؎

اسم اعظم جامع اسماء بود صورتِ او معنیٔ اشیاء بود

اسم دریا و تعیّن موج او ایں کسے داند کہ او از ما بود

(ترجمہ) اسم اعظم تمام اسماء کا جامع ہے۔ اس کی ظاہری صورت تمام اشیاء کا باطن ہے اسم اعظم ایک دریا ہے۔ اور مخلوقات اس کی لہریں ہیں۔ اس نکتہ کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے۔ جو ہمارے گروہ میں سے ہو (صوفیاء میں سے) ◆

۹- نور کا بیان

نور کی تین قسمیں ہیں۔ اگر جلالی صفت میں ظاہر ہو۔ تو یا سورج کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔ یا یاقوت کے رنگ میں یا آگ کے رنگ میں۔ اور اگر نور جمالی صفت میں ظاہر ہو۔ تو یا چاند کے رنگ میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یا چاندی کے رنگ میں یا موتیوں کے رنگ میں۔ ذاتِ الٰہی کا نور جو کہ ان تمام صفات میں سے منزہ اور پاک ہے اُس کو اولیاء اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ اولیاء اللہ جن کے حق میں خدا تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ یعنی خدا تعالےٰ جس کو چاہتا ہے

اپنے نورِ ذات کی طرف راہنمائی فرماتا ہے۔ اور یہ نورِ ذات وہ نور ہے۔ کہ جب انسان سوجاتا ہے۔ یا آنکھیں بند کر کے بیٹھتا ہے۔ تو اُس نور کو نہ ظاہری آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اور نہ ظاہری کانوں سے سن سکتا ہے۔ اور نہ زبان سے اس کو ادا کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی ناک سے اُس کو سونگھ سکتا ہے۔ اور نہ قوتِ لامسہ سے اس کو محسوس کر سکتا ہے حالانکہ خواب میں یہ سب کام ایک چیز سے ہی کر لیتا ہے۔ اور اس کو دیگر اعضاء اور حواس ظاہری اور چراغ کی روشنی کی مطلق ضرورت نہیں ہوتی۔ اور اس خواب کی حالت میں حواس خمسہ ظاہری بعینہٖ ایک ہو جاتے ہیں۔ اس کو نورِ ذات کہتے ہیں۔ اور یہی خدائے ذوالجلال کا نور ہے۔

اے دوست ذرا غور و فکر کر کہ میں نے کیا کہا ہے۔ کیونکہ یہ غور و فکر کا مقام ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس فکر کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ سَنَۃٍ یعنی اس فکرِ الٰہی میں ایک گھنٹہ مستغرق رہنا ایک سال کی عبادت سے افضل ہے۔ اور جو نور اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے۔ اُس کو فقراء ہند "جوت سروپ" یا "سوا پرکاس" یا "سپن پرکاس" کہتے ہیں۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی اللہ تعالےٰ آسمانوں اور زمینوں کو نور (روشنی) عطا فرمانے والا ہے۔ یہ نور ہمیشہ خود بخود روشن ہے۔ خواہ جہان میں نظر آئے یا نہ آئے۔ چنانچہ صوفیائے کرام نے آیت مذکورۃ الصدر میں نور کا ترجمہ منوّر (روشن کرنے والا) فرمایا ہے۔ اسی طرح فقراء ہند نے بھی نور کو منور سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی اللہ تعالےٰ زمین

آسمان کو نور (روشنی) عطا فرمانے والا ہے مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ یعنی اُس کے نور کی مثال اُس طاقچہ کی سی ہے جس میں چراغ دھرا ہو۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ وہ چراغ شیشہ میں رکھا ہو اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ۔ وہ شیشہ ایسا صاف شفّاف اور چمکدار ہو۔ جیسا چمکتا ہُوا ستارہ یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ۔ جو مبارک درخت زیتون سے روشن کیا گیا ہو۔ اور مشرقی و مغربی ہواؤں سے محفوظ ہو۔ یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ قریب ہے کہ اُس زیتون کا تیل بلا آگ لگائے (بغیر روشن کئے) روشنی دینے لگے۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (گویا) نور پر نور ہے۔ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ رہنمائی کرتا ہے اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے متعلق جو کچھ خاکسار کے فہم و ادراک میں آیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مشکوٰۃ (طاقچہ) سے مراد عالم اجسام ہے۔ اور مصباح (چراغ) سے مراد نورِ ذاتِ الٰہی ہے۔ جو کہ چمکدار ستارہ کی طرح روشن ہے۔ اُس چراغ (نورِ ذات) کے ذریعے یہ شیشہ (روح) بھی چراغ کی طرح روشن معلوم ہوتی ہے۔ اس چراغ کے روشن ہونے سے مراد نورِ وجود ہے۔ اور درخت مبارک سے مراد حق تعالےٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ جو کہ مشرقی اور مغربی اطراف و جہات سے منزہ اور پاک ہے۔ اور زیت (روغن زیتون) سے مراد روحِ اعظم ہے۔ جو کہ نہ ازلی ہے اور نہ ابدی۔ یعنی وہ روغن زیتون بے حد لطیف اور صاف و شفاف ہونے کے باعث خود بخود روشن ہے۔ اُس کو روشنی کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ ابُو بکر واسطی[1] رحمۃ اللہ علیہ روح کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ کہ روح کا شیشہ اس درجہ روشن ہے۔ کہ اس دنیاوی آگ لگانے کی اُس کو ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ اس شیشہ روح میں ذاتی استعداد اور قابلیت انتہا درجہ کی ہے۔ اس لئے وہ بہت جلد روشن ہو جاتا ہے اور یہ نورِ زیت (روغنِ زیتون کی روشنی) نُورٌ علیٰ نور ہے۔ یعنی بیحد صاف و روشن

---

[1] محمد بن موسیٰ المعروف ابو بکر واسطی حضرت جنید بغدادی اور حضرت نور الحسن نوری کے خلفا میں سے تھے۔ آپ ۳۲۰ھ سے پہلے شہر مرو میں پیدا ہوئے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔ کہ حضرت ابو بکر واسطی توحید کے امام و پیشوا تھے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس ص۱۷۱ و تذکرۃ الاولیا مؤلفہ ڈاکٹر ٹکلسن ص۲۶۵ تا ۲۸۱ ۔

ہونے کے باعث نور پر نور ہے۔ اس روشنی کے ذریعے کوئی شخص اُس نور وحدت کو دیکھ نہیں سکتا۔ جب تک کہ وہ خود اپنے نور وحدت کی طرف کسی کو رہنمائی نہ کرے۔ پس اس آیت کریمہ کا خلاصۂ مطلب یہ ہوا حق تعالٰے اپنے نور ذاتی سے لطیف نورانی پردوں میں ظاہر ہے کسی ظلمت اور پردہ کو اُس کے نور ذاتی میں گذر نہیں ہے۔ اور نور ذاتی روح الارواح (روح اعظم) کے پردہ میں ظاہر ہے۔ اور روح الارواح دیگر ارواح کے پردہ میں۔ اور دیگر ارواح اجسام کے پردہ میں ظاہر ہیں۔ اسی طرح چراغ اُس روغن زیتون کے ذریعے شیشہ کے پردہ میں روشن ہے۔ اور شیشہ طاقچہ کے پردہ میں رکھا ہے۔ اور یہ سب چیزیں نورِ ذات الٰہی سے روشنی حاصل کرتی ہیں۔ اس لئے روشنی پر روشنی بڑھ گئی ہے (ایک روغن زیتون کی روشنی دوسری شیشہ کی روشنی تیسری نور ذاتی کی روشنی)۔

۱۰۔ دیدار الٰہی کا بیان

دیدار الٰہی کو فقراء ہند ساچھات کار کہتے ہیں۔ یعنی خدا تعالےٰ کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھنا۔

جاننا چاہیئے کہ دیدار الٰہی خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں ظاہری آنکھوں سے ہو یا باطنی آنکھوں سے اس میں کسی نبی اور ولی کو شک وشبہ نہیں ہے۔ تمام اہل کتاب (یہودی و عیسائی) اور سب مذہبوں کے کامل اور اہل دل لوگ اس امر پر متفق الرائے ہیں۔ خواہ اہلِ قرآن (مسلمان) ہوں یا اہلِ بید (ہندو) خواہ یہودی ہو یا عیسائی (سب دیدارِ الٰہی کے قائل ہیں) البتہ بے سمجھ اور ظاہر بین لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو دیدار الٰہی کے منکر ہیں (جیسے شیعہ اور معتزلہ) جو خدائے قدوس ہر چیز پر قدرت اور طاقت رکھتا ہے۔ کیا وہ اپنا دیدار کرانے پر قادر نہیں ہے۔ اس دیدار الٰہی کے مسئلہ کو علمائے اہل سنت والجماعت نے خوب واضح کر کے لکھا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ دیدار الٰہی سے مراد باری تعالٰے کی ذاتِ محض کا دیدار مراد نہیں ہے۔ کیونکہ ذات باری کا دیدار محال اور ناممکن ہے۔ اس لئے کہ ذات باری لطیف اور بے تعین ہے۔ وہ بغیر پردۂ لطافت کے جلوہ گر نہیں ہوسکتی پس اُس کا دیدار کس طرح ممکن ہے۔ لہٰذا محض ذات باری کا دیدار تو محال ہے۔ ہاں نور وحدت کا دیدار ممکن بلکہ واقع میں ہے۔ اور یہ جو بعض علماء نے کہا ہے: "کہ خداوند تعالےٰ کا دیدار آخرت میں ہوگا۔ دنیا میں اُس کا دیدار ناممکن ہے"

یہ محض بے اصل بات ہے۔ اس لئے کہ جب خدا تعالےٰ میں قدرت کاملہ موجود ہے۔ تو پھر یہ کیونکر محال ہے۔ کہ وہ اپنا دیدار جہاں چاہے اور جس وقت چاہے کرا دے۔ بلکہ اصلی بات تو یہ ہے۔ کہ جس کو اس دنیا میں اس کا دیدار نصیب نہیں ہوا۔ وہ آخرت میں بھی اُس کے دیدار سے محروم رہیگا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ یعنی جو شخص دنیا میں میرے دیدار کی دولت سے محروم رہا وہ آخرت میں بھی محروم رہے گا۔ معتزلہ اور شیعہ جو دیدار الٰہی سے بالکل منکر ہیں۔ وہ بہت بڑی غلطی پر ہیں۔ اس لئے کہ اگر وہ یہ کہتے کہ محض ذات باری تعالےٰ کا دیدار ناممکن ہے تب تو اُن کی بات درست تھی۔ لیکن چونکہ وہ دیدار الٰہی کے تمام اقسام کے منکر ہیں۔ اس لئے وہ نہایت غلط راستہ پر ہیں۔ اس لئے کہ اکثر پیغمبروں اور کامل ولیوں نے خدا تعالےٰ کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور بلا واسطہ خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہوئے ہیں۔ جب کہ وہ خدا تعالےٰ کا کلام ہر جہت سے سننے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ وہ دیدار الٰہی کی ہر جہت سے صلاحیت نہیں رکھتے۔ ہمارا ایمان ہے۔ کہ ضرور وہ دیدار الٰہی کی بھی قابلیت رکھتے ہیں جس طرح خدا تعالےٰ۔ اس کے فرشتوں۔ اس کی کتابوں۔ اس کے پیغمبروں اور قیامت و قضا و قدر اور خیر و شر اور اُس کے متبرک مقامات (مکہ۔ بیت المقدس) پر ایمان رکھنا فرض ہے۔ اسی طرح دیدار الٰہی پر ایمان اور یقین رکھنا بھی فرض اور لازم ہے۔ بعض ظاہر بین علماء اہل سنت و الجماعت اس حدیث کی بنا پر دنیا میں دیدار الٰہی سے منکر ہوئے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ یعنی یا رسول اللہ صلعم کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضور نے جواب دیا۔ کہ نُوْرٌ اِنِّيْ اَرَاهُ یعنی (ہاں دیکھا ہے) وہ ایک نور ہے جس کو میں دیکھتا ہوں۔ وہ ظاہر پرست علما اس حدیث کو نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ پڑھکر یہ معنی کرتے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ ایک نور ہے۔ اس کو میں کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ (میں اُس کو دیکھ نہیں سکتا) اول تو یہ حدیث نُوْرٌ اِنِّيْ اَرَاهُ پڑھنی چاہیئے۔ جس کے معنی ہیں کہ وہ ایک نور ہے جس کو میں دیکھتا ہوں۔ اگر اس حدیث کو علماء ظاہر بین کے مطابق نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ ہی پڑھا جاوے۔ تو بھی اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کہ حضور علیہ السلام نے خدا تعالےٰ کا دیدار دنیا میں نہیں کیا۔ البتہ اس سے یہ بات ثابت ہوسکتی ہے۔ کہ اُس کی ذات محض کا دیدار ناممکن ہے۔ نہ یہ کہ مطلقاً اُس کا

دیدار ناممکن ہے۔ اگر اس حدیث میں اِنّی پڑھا جائے۔ تب تو اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ پردۂ نور میں اُس کا دیدار کامل ہو سکتا ہے۔ اور اگر اَنّٰی پڑھا جائے۔ تو اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ محض ذات باری تعالےٰ کا دیدار ناممکن ہے۔ یہ اختلاف دراصل عبارتی نہیں ہے۔ بلکہ اعجاز نبوی ہے۔ کہ ایک حدیث میں دو مسئلے بیان کر دئے۔ (ایک محض ذات الٰہی کے دیدار کا ناممکن ہونا۔ دوسرے پردۂ نور میں اُس کا جلوہ نما ہونا) اور یہ آیت دیدار الٰہی کی بیّن دلیل ہے۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ یعنی اُس روز (روزِ قیامت) بہت سے چہرے تروتازہ ہونگے اور اپنے پروردگار کا دیدار کرینگے۔ اور یہ آیت اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اُس کی ذاتِ محض کا دیدار ناممکن ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ یعنی اُس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ اور وہ سب آنکھوں کو دیکھتا ہے۔ اور وہ نہایت لطافت اور بیرنگی میں ہے۔ اس آیت میں جو "ھُوَ" کا لفظ ہے۔ یہ اشارہ اس امر کی طرف کہ خدا تعالےٰ کی ذات محض کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ دیدار الٰہی کی پانچ قسمیں ہیں۔ اوّل خواب میں دل کی آنکھوں سے دیدار الٰہی ہونا۔ دوؔم۔ بیداری کی حالت میں ان ظاہری آنکھوں سے دیدار الٰہی ہونا۔ سوؔم۔ بیداری اور خواب کی درمیانی حالت (خاص بیخودی یا استغراق کی حالت) میں دیدار الٰہی ہونا۔ چہارؔم۔ ایک خاص تعین میں دیدار ہونا۔ پنجم عالم ظاہری و باطنی کے کثرات تعینات میں خدا تعالےٰ کی ذات واحد کا دیدار ہونا۔ یہ پانچواں دیدار حضور کو اس وقت ہوُا۔ جب کہ آپ ذات باری تعالےٰ میں فنا ہو گئے۔ اور دیکھنے والے اور دکھائی دینے والے میں بظاہر کوئی فرق نہ رہا۔ اور آپ کا خواب اور بیداری بیخودی سب ایک دکھائی دینے لگا۔ اور آپ کی ظاہری و باطنی آنکھیں ایک ہو گئی تھیں۔ دیدار الٰہی کا کمال درجہ یہی ہے۔ اس درجہ میں دنیا و آخرت دونو یکساں ہیں۔ نیز یہ دیدار ہر جگہ اور ہر وقت میسر ہوتا ہے[۵۱]

۵۱ دارا شکوہ نے اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء کے صفحہ ۶۶ تا ۶۷ میں دیدار الٰہی کے مسئلہ کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔ اور بہت سی سندیں اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ اگر ان سب اسناد کو ذکر کیا جاوے۔ تو باعث طوالت ہے۔ لہٰذا یہاں ہم صرف اسی مختصر سی سند پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو حسب ذیل ہے (دارا شکوہ کہتا ہے) مجھے ایک بہت بڑے بزرگ نے حکایت سنائی۔ کہ ایک دن حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے دریافت کیا۔ کہ کتاب (نہایہ جزری) میں مذکور ہے۔ کہ ایک دن ابن شقیق رحؒ نے حضرت ابوذر غفاری

۱۱- اسماء الٰہی کا بیان

جاننا چاہیئے کہ اسمائے الٰہی بے انتہا ہیں۔ ذاتِ مطلق وبحت وصرف وغیب الغیب وحضرت واجب الوجود (خدا تعالیٰ) کو فقراء ہند کی زبان میں اَسن۔ نِرگن۔ نِرنکار۔ نِرنجن سَت۔ چِت کہتے ہیں۔ اگر علم کو اس کی طرف منسوب کیا جاوے۔ تو اہل اسلام کے نزدیک اُس کو علیم (بڑا جاننے والا) اور فقراء ہند کے ہاں چیتن کہتے ہیں۔ اور اسم حق کو فقراء ہند اَننت کہتے ہیں۔ اور قادر کو سمرتھ۔ سمیع (بڑا سننے والا) کو سروتا۔ بصیر (بڑا دیکھنے والا) کو درشٹا۔ اور کلیم (کلام کرنیوالا) کو وکتا۔ اللہ کو اوم اور ھو کو سہ بولتے ہیں۔ فرشتہ کو یہ لوگ دیوتا کہتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کے مظہر اتم (جس میں مکمل طور پر خدا تعالےٰ کی صفات کا ظہور ہو) کو اوتار یعنی پیغمبر کہتے ہیں۔ اوتار اُس کو بولتے ہیں۔ کہ جس قدرت الٰہی کا اس میں ظہور ہو۔ اور جو کام خلاف عادت اُس سے سرزد ہوں۔ وہ قدرت الٰہی اور خارق عادت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) سے کہا۔ اگر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا۔ تو اُن سے یہ پوچھتا۔ کہ یا رسول اللہ آپ نے خدا کو دیکھا ہے۔ یا نہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضؓ نے جواب دیا۔ کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ یعنی خدا تعالےٰ ایک ایسا نور ہے۔ کہ جس کو دیکھنا ناممکنات میں سے ہے۔ واضح ہو۔ کہ عبارت بالا میں تجنیس خطی واقع ہوئی ہے۔ یعنی نُوْرٌ اِنّیْ اَرَاہُ یعنی وہ خدا تعالےٰ ایک نور ہے جس کو میں دیکھتا ہوں۔ حضرت میاں جیونے داراشکوہ سے فرمایا۔ کہ عبارت حدیث مذکورہ بالا دو نو طرح درست ہے۔ اگر پہلا معنی لیں۔ تو اُس سے مراد یہ ہے۔ کہ خدا کی ذاتِ محض کا دیدار ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ دیدار پیغمبروں کے لئے بھی محال اور ناممکن ہے۔ اور اگر دوسرا معنی لیا جاوے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ پردہ نورانی کی اوٹ میں اُس کا دیدار ہو سکتا ہے۔ شاہزادہ داراشکوہ نے اپنے خیالات متعلقہ مسئلہ دیدار الٰہی کو حسب ذیل رباعی میں منظوم فرمایا ہے۔ سکینۃ الاولیا صہ ۶۱

رباعی

آنانکہ خدا دراں زماں مے بینند | اول تو بداں دریں جہاں مے بینند
دیدار خدا دریں و آں یکساں است | ہر لحظہ بظاہر و نہاں مے بینند

(ترجمہ) جو لوگ (اولیا) خدا تعالےٰ کا آخرت میں دیدار کریں گے۔ وہ یہاں بھی ضرور بالضرور دیدار الٰہی کرتے رہتے ہیں۔ دیدار الٰہی دونو جہاں میں اُن کے لئے یکساں ہے۔ وہ ظاہر اور پوشیدہ طور پر خدا کا دیدار کرتے ہیں *

کام اس وقت کسی دوسرے بنی نوع انسان سے ظاہر نہ ہو (یعنی تمام انسان اُس خاص کام میں اُس کا مقابلہ کرنے سے عاجز آجائیں) جو وحی کہ پیغمبروں پر نازل ہوتی ہے اس کو یہ لوگ اکاس بانی بولتے ہیں۔ اکاس بانی اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ وحی اکاس (خدا کے رُخ زیبا) سے صادر ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نزول وحی کا وقت مجھ پر تمام اوقات سے زیادہ کٹھن گذرتا ہے۔ وحی کو کبھی میں گھنٹی کی آواز کی طرح سنتا ہوں اور کبھی زنبور (بھڑ) کی آواز کی طرح۔ آسمانی کتابوں کو یہ لوگ بید کہتے ہیں اور خوبصورت اور اچھے جنات (پریوں) کو اپچھرا کہتے ہیں۔ اور بُرے اور بدمعاش جنات (دیو۔ شیاطین) کو راکچھس کہتے ہیں۔ آدمی کو منکھ۔ ولی کو رکھی اور نبی (پیغمبر) کو مہا سدھ بولتے ہیں۔

۱۲۔ نبوت اور ولایت کا بیان

پیغمبروں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ پیغمبر جنہوں نے خدا تعالےٰ کو ظاہری یا باطنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ دوسرے وہ پیغمبر جنہوں نے خدا تعالےٰ کی آواز سنی ہو خواہ محض آواز سنی ہو۔ یا وہ آواز سنی ہو جو حروف کلمات سے مرکب ہو۔ تیسرے وہ پیغمبر جنہوں نے فرشتۂ وحی کو دیکھا ہو۔ یا اُس کی آواز سنی ہو۔ نبوت اور ولایت کی بھی تین قسمیں ہیں۔ (۱) نبوت و ولایت تنزیہی (۲) نبوت و ولایت تشبیہی (۳) نبوت و ولایت جو تنزیہہ و تشبیہ کی جامع ہے۔

نبوت تنزیہی کی مثال جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت ہے۔ جنہوں نے خدا تعالےٰ کو تنزیہہ (بلا کیف) دیکھا اور لوگوں کو ہدایت کی۔ سوائے معدودے چند لوگ اُن پر ایمان نہ لائے۔ اور سب کے سب طوفان میں غرق ہو گئے۔ علےٰ ہذا القیاس اس زمانے کے زاہد (فقراء) ہیں۔ جو کہ مریدوں کو تنزیہہ خدا کی طرف دعوت کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ پیر و مرید میں سے کوئی بھی عارف الہٰی نہیں ہوتا۔ نہ ہی اُن کے اقوال سے مخلوق کو چنداں فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ خشک زاہد راہ سلوک و طریقت میں محو رہتے ہیں۔ اصل مطلوب (خدا تعالےٰ) کو نہیں پہنچتے۔

نبوت تشبیہی کی مثال جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت جنہوں نے خدا تعالےٰ کو شعلۂ آتش میں دیکھا۔ اور ابر میں سے خدا تعالےٰ کا کلام پاک سُنا۔ اسی لئے اکثر اُمت موسوی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کے باعث تشبیہ میں مبتلا ہو کر گوسالہ پرست

(بچھڑا پوجنے والی) بن گئی۔ اسی طرح آج کل بعض مقلدین محض بزرگوں کی تقلید سے تنزیہہ سے دُور جا پڑے ہیں۔ اور تشبیہ میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ اور خوشنما اور عمدہ اشیاء کے دیکھنے اور لہو و لعب میں مبتلا ہیں۔ ایسے لوگوں کی پیروی ہرگز نہیں کرنی چاہیئے ؎

ہر صورت دلکش کہ ترا روئے نمود ۔۔۔ خواہد فلکش از نظر تو اش زود ربود
رَو دل بکسے دِہ کہ در اطوار وجود ۔۔۔ بوداست و ہمیشہ با تو خواہد بود

یعنی اے انسان! جس قدر دلکش صورتیں تجھے (دنیا میں) نظر آرہی ہیں۔ خدا کو یہی منظور ہے۔ کہ یہ صورتیں جلد سے جلد تیری آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں۔ (جب یہ تمام دلکش صورتیں فنا پذیر ہیں) تو تمہیں چاہیئے۔ کہ اپنا دل اس ذات حق سے لگاؤ۔ جو ہمیشہ سے ہے۔ اور ہمیشہ ہی باقی رہے گی ؛

نبوت جامع التنزیہہ والتشبیہ یعنی وہ نبوت کہ جس میں تنزیہہ اور تشبیہ دو نو جمع ہیں۔ یہ حضرت سرور عالم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے جس میں مطلق (خدا) مقید (مخلوق) رنگ و بیرنگ۔ نزدیک اور دور سب ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ اسی مرتبہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ یعنی اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ ٹکڑا مرتبہ تنزیہہ کی طرف اشارہ ہے۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ یعنی وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ یہ مرتبۂ تشبیہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مرتبہ تمام مراتب سے اعلیٰ ہے جو کہ جامع اور خاتم المراتب ہے۔ اور حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی لئے ہمارے پیغمبر علیہ السلام کی نبوت مشرق سے لیکر مغرب تک تمام جہان کو شامل ہے۔ نبوت تنزیہی نبوت تشبیہی سے محروم ہوتی ہے۔ اور نبوت تشبیہی نبوت تنزیہی سے خالی ہوتی ہے۔ اور نبوت جامع تنزیہہ و تشبیہ دو نو مراتب کو شامل ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ یعنی وہی اول اور وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر اور وہی باطن ہے۔ جیسے نبوت جامع حضور علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی طرح ولایت جامع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے کامل اولیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ جن کے حق میں حق تعالےٰ فرماتا ہے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ یعنی بہترین اُمت وہ لوگ ہیں۔ جو تشبیہ و تنزیہہ کے جامع ہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام کے زمانۂ مبارک میں حضرت ابو بکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان غنی۔ حضرت علی مرتضیٰ۔ حضرت امام حسن و حسین و ستۂ باقیہ از عشرہ مبشرہ اور اکابر مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین

اولیاء تھے۔ اس کے بعد تابعین میں سے حضرت اویس قرنی وغیرہ۔
اس کے بعد والے زمانہ میں حضرت ذوالنون مصری۔ فضیل عیاض اور معروف کرخی۔ ابراہیم ادہم۔ بشر حافی۔ سری سقطی۔ بایزید بسطامی۔ جنید بغدادی۔ سہل تستری۔ ابوسعید خراز۔ رویم۔ ابوالحسین نوری۔ ابراہیم خواص۔ ابوبکر شبلی وغیرہ اکابر اولیاء کرام گزرے ہیں۔ ان کے بعد والے زمانے میں حضرت ابوسعید ابوالخیر (مرشد حضرت غوث الاعظم) شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری۔ شیخ احمد جام۔ محمد معشوق طوسی۔ احمد غزالی۔ ابوالقاسم گرگانی وغیرہ ہو چکے ہیں۔
ان کے بعد والے زمانے میں ہمارے مقتدائے اول قطب ربانی محبوب سبحانی حضرت غوث الاعظم محی الدین سید عبدالقادر جیلانی۔ ابومدین مغربی۔ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی۔ شیخ نجم الدین کبریٰ۔ شیخ فریدالدین عطار۔ مولانا جلال الدین رومی وغیرہ صوفیائے عظام و اولیاء کرام ہو گزرے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین اجمیری۔ خواجہ بہاؤالدین نقشبند۔ خواجہ عبیداللہ احرار (مرشد مولانا جامی) مولینا عبدالرحمٰن جامی۔ (مصنف شرح جامی) ان کے بعد میرے شیخ جنید ثانی حضرت شاہ میر اور میرے اُستاد میاں باری اور میرے مرشد مُلّا شاہ۔ اور شاہ محمد دلربا۔ اور شیخ طیب سرہندی اور بابا لال بیراگی وغیرہ صوفیاء و فقراء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

۱۳۔ برہمانڈ کا بیان

برہمانڈ سے مراد کل اور گنبد کی شکل میں حضرت وجود (خدا) کے ظہور کا تقید ہے۔ چونکہ اس کا کسی خاص طرف میلان اور تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس کی نسبت سب کی طرف یکساں ہے۔ اور سب پیدائش اور نمائش اسی کے درمیان ہے۔ اس لئے فقراء ہند اس کو برہمانڈ کہتے ہیں۔

۱۴۔ جہات کا بیان

اہل اسلام کے نزدیک چھ جہتیں (طرفین) ہیں مشرق[۱]۔ مغرب[۲]۔ شمال[۳]۔ جنوب[۴] اوپر[۵]۔ نیچے[۶] اور اہل ہنود کے نزدیک جہات ہیں۔ جن کے مجموعہ کو دہ دشا کہتے ہیں۔

وہ دس جہتیں اس طرح ہیں۔ کہ چھ جہتیں مذکورہ بالا۔ اور چار جہتیں یہ (۱) مشرق و مغرب کے مابین کی سمت (۲) شمال اور جنوب کے درمیان کی سمت (۳) مشرق اور شمال کے مابین کی سمت (۴) مغرب اور جنوب کے درمیان کی سمت ۔

۱۵۔ آسمانوں کا بیان

آسمانوں کو ہندی زبان میں لگن بولتے ہیں۔ اہل ہند کے نزدیک آسمانیں آٹھ ہیں۔ سات آسمانیں تو وہی ہیں۔ جو سات کواکب سیارہ کا محل ہیں۔ وہ سبع سیارہ یہ ہیں۔ زحل مشتری۔ مریخ۔ شمس۔ زہرہ۔ عطارد۔ قمر۔ ہندی زبان میں ان سات ستاروں کو نچھتر یعنی سنیچر۔ برسپت۔ منگل۔ سورج۔ سکر۔ بدھ۔ چندرما س کہتے ہیں جس کو شریعت اسلامی میں کرسی کہا جاتا ہے۔ اس کو حکما فلک ہشتم (آٹھویں آسمان) اور فلک ثوابت کہتے ہیں۔ یہ کرسی (فلک ہشتم) تمام زمینوں اور آسمانوں کو محیط ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یعنی آسمانیں اور زمین کرسی میں سماجاتے ہیں۔ سات آسمانوں اور کرسی کے بعد نویں چیز مہا آکاس اور وئے قدا ہے۔ اس کو آسمانوں میں شمار نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ کرسی ساتوں آسمانوں اور زمینوں بلکہ تمام مخلوقات کو احاطہ کئے ہوئے ہے ۔

۱۶۔ زمین کا بیان

اہل ہند کے نزدیک زمین کے سات طبقے ہیں۔ ان سات طبقوں کا مجموعی نام ہندی میں سپت تال ہے۔ اور ہر ہر طبقہ کے یہ سات نام ہیں۔ اتل۔ بتل۔ سوتل۔ تلاتل۔ مہاتل۔ رساتل۔ پاتال۔ اہل اسلام کے نزدیک بھی زمینیں سات ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یعنی اللہ تعالیٰ وہ خدا ہے۔ کہ جس نے سات آسمانیں پیدا کیں۔ اور زمینیں بھی آسمانوں کی طرح (سات) (پیدا کیں) ۔

۱۷- زمین کی تقسیم کا بیان

کل روئے زمین کے حکماء نے سات حصّے قرار دئے ہیں۔ ان ساتوں حصّوں کو ہفت اقلیم کہتے ہیں۔ اور اہل ہند اُن کو سپت دیپ کہتے ہیں۔ زمین کے ان سات طبقوں کو پیاز کے پردوں کی طرح تہ بتہ نہیں سمجھتے۔ بلکہ نردبان کے پایوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ ان ساتوں زمینوں میں سے ہر ایک کے گرداگرد ایک ایک پہاڑ مانتے ہیں۔ ان سات پہاڑوں کے یہ نام ہیں: سُمیرو۔ سموبپت۔ ہمکوت۔ ہموان۔ ملدہ۔ پارجاتر۔ کیلاس۔ یہ آیت بھی اس قول کی مؤید ہے۔ "وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا" یعنی ہم نے پہاڑوں کو زمینوں کی میخیں بنایا۔ ان سات محیط پہاڑوں کے اردگرد سات سمندر ہیں۔ جن کو سپت سمندر کہتے ہیں۔ اول۔ لون سمندر یعنی دریائے شور۔ دوم اُنچھ رس سمندر یعنی گنّوں کے رس کا سمندر۔ سوم سرا سمندر یعنی دریائے شراب۔ چہارم گھرت سمندر۔ یعنی گھی کا سمندر۔ پنجم دہ سمندر یعنی دہی کا دریا۔ ششم۔ کھیر سمندر یعنی دودھ کا دریا۔ ہفتم۔ سوادجل۔ یعنی صاف اور نتھرے ہوئے پانی کا دریا۔ دریاؤں کا سات ہونا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ یعنی اگر روئے زمین درخت قلمیں ہو جائیں۔ اور وہ سات دریا سیاہی بن جائیں۔ تو بھی خدا تعالےٰ کے کلمات (تقدیریں) ختم نہ ہوں۔ ہر ایک زمین پہاڑ اور دریا میں قسم قسم کی مخلوقات ہے۔ ان سب زمینوں اور پہاڑوں اور دریاؤں کے اوپر محققین اہل ہند کے نزدیک اور زمین اور پہاڑ اور دریا ہیں جن کو وہ لوگ سرگ (بہشت) بولتے ہیں۔ اور جو زمین اور دریا کہ سب زمینوں اور پہاڑوں اور دریاؤں کے نیچے ہیں۔ اُن کو نرگ یعنی دوزخ کہتے ہیں ؎

محققین اہل ہند کے نزدیک بہشت اور دوزخ اسی جہان (برہماند) میں داخل ہیں۔ اس جہان سے خارج نہیں ہیں۔ یہ سات آسمان جنہیں سبع سیارہ گردش کرتے ہیں۔ ان کے متعلق ان (فقراء ہند) کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ یہ ساتوں آسمان بہشت کے اردگرد گھومتے ہیں۔ نہ بہشت کے اوپر۔ بہشت کی چھت یعنی عرش کو من آکاس کہتے ہیں۔ اور بہشت کی زمین کو کرسی کہتے ہیں ؎

۱۰۔ عالم برزخ کا بیان

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَ قِیَامَتُہٗ جو شخص مر گیا اُس کے لئے قیامت برپا ہو گئی۔ مرنے کے بعد تما (روح) اس بدن عنصری (ظاہری بدن) سے جدا ہو کر فوراً سوجھم سریر یعنی مکتی کے بدن میں داخل ہو جاتی ہے۔ یہ مکتی (نجات) کا بدن ایک لطیف بدن ہے۔ جو کہ اعمال انسانی کا نمونہ اور صورت ہے۔ نیک اعمال کا نمونہ اچھا اور بد اعمالی کا نمونہ بُرا بدن تیار ہوتا ہے۔ سوال وجواب کے بعد فوراً بہشتی بہشت میں جاتے ہیں اور دوزخی دوزخ میں۔ جیسا کہ آیت میں مذکور ہے فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّ شَھِیْقٌ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّۃِ خَالِدِیْنَ فِیْھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ٭ یعنی جو لوگ (ازل میں) بدبخت ہو چکے ہیں وہ دوزخ میں جاویں گے۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں فریاد و نالہ کرتے رہیں گے۔ جب تک کہ آسمانیں اور زمینیں قائم ہیں۔ مگر جس کو خدا چاہے۔ بیشک تیرا پروردگار جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جو لوگ ازلی نیکبخت ہیں۔ وہ زمین و آسمان کے باقی رہنے تک بہشت میں رہیں گے۔ مگر جب تک خدا چاہے گا۔ ان کو بہشت سے نکالے رکھے گا۔ خدا تعالےٰ کی بخششیں بے انتہا ہیں ٭

دوزخ سے نکالنے کے یہ معنی ہیں کہ زمین و آسمان کے برطرف (فنا) ہونے سے پیشتر اگر خدا تعالےٰ چاہے گا۔ تو دوزخ سے نکال کر بہشت میں داخل کر دیگا حضرت ابن مسعودؓ نے اس آیت مذکورۃ الصدر کی تفسیر کے متعلق یوں فرمایا کہ

لَیَأْتِیَنَّ عَلٰی جَھَنَّمَ زَمَانٌ لَیْسَ فِیْھَا اَحَدٌ ذٰلِکَ بَعْدَ مَا یَلْبَثُوْنَ فِیْھَا اَحْقَابًا۔ یعنی جب دوزخیوں کو دوزخ میں سزا پاتے ہوئے مدتہائے دراز گذر جائے گی۔ تو ایک وقت ایسا بھی آئے گا۔ کہ دوزخ میں کوئی دوزخی باقی نہیں رہیگا ٭

بہشتیوں کو بہشت سے نکالنے کا یہ مطلب ہے کہ زمین و آسمان کے فناء ہونے سے پہلے اگر خدا چاہیگا۔ تو دوسرے بہشت سے نکال کر فردوس بریں (سب سے اونچی بہشت) میں داخل کر دیگا۔ یہ فردوس بریں خدا تعالےٰ کا ایک بے حساب عطیہ ہے۔ نیز اس آیت سے

بھی یہی مضمون ثابت ہوتا ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ یعنی خداوند تعالےٰ کی ایک سب سے بڑی بہشت ہے۔ یہ ایک بڑی کامیابی اور نجات (کی جگہ) ہے +

اہل ہند فردوس برین کو بیکنٹھ کہتے ہیں۔ ان کے ہاں بھی یہ بےکنٹھ سب سے بڑی مکتی (نجات) کی جگہ ہے +

۱۹۔ قیامت کا بیان

فقراء ہند کا اعتقاد ہے۔ کہ جب لوگوں کو دوزخ اور بہشت میں رہتے ہوئے مدتہائے دراز گذر جائیگی۔ تو مہاپرلی یعنی قیامت کبریٰ قائم ہو جاویگی۔ چنانچہ اس آیت قرآنی سے بھی یہی مضمون ثابت ہوتا ہے فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّۃُ الْکُبْرٰی یعنی جب قیامت کبریٰ برپا ہو جائیگی۔ نیز اس آیت سے بھی اسی مضمون کی تائید ثابت ہوتی ہے وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ یعنی (جب) نرسنگا میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونک لگائیں گے۔ تو زمین و آسمان میں رہنے والے سب کے سب بیہوش ہو جاوینگے۔ لیکن جن کو خدا چاہے گا بیہوش ہونے سے بچا لیگا۔ اور یہ بیہوشی سے محفوظ رہنے والے عارف لوگ (اولیاء) ہوں گے۔ جو دنیا و آخرت دونو جہاں میں بیہوشی اور غفلت سے محفوظ ہیں۔ جب زمین و آسمان برطرف ہو جاوینگے۔ اور بہشت و دوزخ فنا ہو جائیں گے۔ نیز جب برھما تد کی عمر ختم ہو کر وہ بھی فنا ہو جائیگا۔ تو بہشتیوں اور دوزخیوں کو نجات کامل حاصل ہو گی۔ یعنی ذات الٰہی میں فنا ہو جائیں گے۔ جیسا کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ یعنی جو کچھ روئے زمین (جہان) پر ہے۔ سب فنا ہو جائیگا۔ اور باقی محض خداء ذوالجلال کی ذات اقدس رہ جائے گی +

۲۰۔ مکتی (نجات) کا بیان

مکتی کے معنے یہ ہیں۔ کہ مخلوقات (ایک عرصہ دراز کے بعد) ذات حق میں فنا ہو جائیگی

چنانچہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ رضوان اکبر (فردوس بریں) میں داخل ہونا ایک بہت بڑی مکتی (نجات) ہے۔ مکتی کی تین قسمیں ہیں (۱) جیون مکتی یعنی زندگی میں نجات پاجانا۔ وہ اس طرح ہے کہ انسان معرفت الٰہی حاصل کر کے اپنی زندگی میں ہی خلاصی اور نجات حاصل کرے اور اسی جہاں (دنیا) میں تمام چیزیں اس کو ایک ہی دکھائی دیں۔ اور تمام نیک و بد اعمال و افعال و حرکات و سکنات کو۔ اپنی طرف منسوب کرے نہ کسی اور کی طرف۔ اپنے آپ کو بلکہ تمام موجودہ اشیاء کو عین حق سمجھے۔ اور سب میں خدائی مراتب کا جلوہ سمجھے۔ اور تمام برہمانڈ جس کو صوفیاء کرام عالم کبریٰ اور خدا کی صورت کلی کہتے ہیں۔ اس کو گویا خدا تعالےٰ کا بدن جسمانی تصور کرے۔ اور عنصر اعظم یعنی مہا آکاس جو کہ سوچھم سریر کے قائمقام ہے اس کو خدا تعالےٰ کا بدن لطیف سمجھے۔ اور خدا تعالےٰ کی ذاتِ اقدس کو بدنِ الٰہی کی روح سمجھے۔ تمام مخلوقات ذرہ سے لیکر پہاڑوں تک خواہ عالم ظاہری میں موجود ہو یا عالمِ باطنی میں سب کو عین خدا سمجھ کر ایک معین شخص تصور کر کے اُس وحدہٗ لاشریک کی ذاتِ اقدس کے سوائے نہ کسی اور کو دیکھے نہ جانے جیسا کہ انسان (جس کو عالمِ صغیر کہتے ہیں) کے مختلف اور کثیر التعداد اعضاء ہیں مگر باوجود کثرت اعضاء کے انسان کی ذات ایک ہی ہے۔ اسی طرح خدا تعالےٰ کی ذاتِ واحد کو بھی باوجود کثیر التعداد مخلوقات کے ایک ہی سمجھے ؎

جہاں یکسر چہ ارواح وچہ اجسام بود شخصے معین عالمش نام

جہان سب کا سب خواہ ارواح ہوں یا اجسام ایک شخص معین کی طرح ہے جس کا تمام عالم (جہاں) ہے۔ پس حق سبحانہٗ و تعالےٰ کو اس شخص معین کی (جہاں) روح و رواں سمجھے۔ اور یہ اعتقاد رکھے۔ کہ خدا تعالےٰ اُس شخص معین کے بال بال میں جلوہ نما ہے۔ جیسا کہ شیخ سعدالدین حموی فرماتے ہیں۔ رباعی

حق جانِ جہان است و جہاں جملہ بدن ارواح و ملائک و حواس ایں ہمہ تن
افلاک و عناصر و موالید و اعضاء توحید ہمین است و دگر شیوہ و فن

یعنی تمام جہاں مل کر گویا ایک بدن کی طرح ہے۔ اور حق تعالےٰ اُس بدن (جہاں) کی روح ہے۔ روحیں، فرشتے، حواس، آسمانیں، عناصر حیوانات۔ نباتات۔ جمادات اور حیوانات کے اعضاء یہ سب مل کر ایک گویا ایک بدن ہیں۔ توحید دراصل یہی ہے اس کے علاوہ سب مل کر مکر و فریب ہے۔ کامل صوفی ہمیشہ جس چیز پر نظر ڈالتا ہے۔ تو

یہی سمجھتا ہے۔کہ میں خدا تعالیٰ کے فلاں عضو کو دیکھ رہا ہوں۔فقراء ہند مثلاً بیاس وغیرہ تمام برہمانڈ (جہاں) کو ایک شخص معین تصور کر کے اُس تصور کردہ شخص معین کو مہا پُرس (خدا) بولتے ہیں۔اور اس کے اعضاء جسمانی کو یوں بیان کرتے ہیں۔کہ پاتال یعنی زمین کا ساتواں طبقہ گویا مہا پرس (خدا تعالیٰ) کے پاؤں کا تلوا ہے۔اور رساتل یعنی زمین کا چھٹا طبقہ گویا مہا پرس کے پاؤں کی پُشت ہے۔اور دیو شیطان مہا پرس کے پاؤں کی انگلیاں ہیں۔اور جن جانوروں پر شیطان سوار ہوتا ہے (مثلاً گدھا) وہ جانور گویا مہا پرس کے پاؤں کے ناخن ہیں۔اور مہاتل یعنی زمین کا پانچواں طبقہ گویا مہا پرس کا ٹخنہ ہے۔ اور تلاتل یعنی زمین کا چوتھا طبقہ گویا مہا پرس کی پنڈلیاں ہیں۔سوتل یعنی زمین کا تیسرا طبقہ مہا پرس کا گھٹنا ہے۔اور بتل یعنی زمین کا دوسرا طبقہ گویا مہا پُرس کی ران ہے۔اور اتل یعنی زمین کا پہلا طبقہ گویا مہا پرس کا آلۂ تناسل ہے۔اور کال یعنی زمانہ مہا پرس کی رفتار اور چال ہے۔اور پرجاپت دیوی جو کہ تمام جہان کے پیدا کرنے کرانے کا باعث ہے۔وہ مہا پرس کی قوتِ مردمی ہے۔بارش مہا پرس کا نطفہ ہے۔بھولوک یعنی زمین سے لیکر آسمان تک سب کچھ مل کر گویا مہا پرس کے زیرناف کا حصہ ہے۔جنوب کی طرف کے تین پہاڑ گویا مہا پرس کا دایاں ہاتھ ہے۔اور شمالی طرف کے تین پہاڑ گویا مہا پرس کا بایاں ہاتھ ہیں۔اور سمیر پربت گویا مہا پُرس کے جوتڑ ہیں۔صبح کاذب کی روشنی گویا مہا پرس کے کپڑے کی مغزی کی تار ہے۔اور صبح صادق کی روشنی گویا مہا پرس کی چادر کا سفید رنگ ہے۔چنانچہ الکبریاء[1] ردائی (یعنی تکبر میری ہی چادر ہے) والی حدیث کا اس طرف اشارہ ہے۔اور شام کا وقت جبکہ آسمان پر سرخی پھیلی ہوئی ہوتی ہے وہ گویا مہا پرس کی شرمگاہ ڈھکنے کا کپڑا ہے۔چنانچہ حدیث العظمۃ ردائی (یعنی عظمت و بزرگی میرا تہ بند ہے) کا اشارہ اسی طرف ہے۔اور سمندر یعنی بحر محیط گویا مہا پرس کی ناف ہے۔ اور بدواتل وہ آتشی مکان ہے۔جو کہ اس وقت بھی سات دریاؤں کا پانی خشک کر دیتا ہے۔اور طغیانی نہیں آنے دیتا۔اور قیامت کبریٰ میں تو تمام پانی کو خشک کر دیگا۔ یہ بدواتل گویا مہا پرس کے معدے کی گرمی ہے۔اور باقی تمام دریا گویا مہا پرس کی رگیں ہیں۔جیسا کہ تمام رگیں ناف تک پہنچتی ہیں۔اسی طرح تمام دریا بھی سمندر میں جا پہنچتے ہیں۔گنگا۔جمنا[2] اور سرستی[3] تینوں مل کر گویا مہا پرس کی شہ رگ ہیں۔ انگلا[1]۔جمنان

[1] یہ حدیث قدسی ہے۔حدیث قدسی وہ ہوتی ہے جس کا بیان کرنے والا باری تعالیٰ ہو۔ (مترجم)

بیکلا۔ جموتا۔ سکھمنا۔ سرشتی بھولوک (تمام آسمانوں سے اوپر والا دریا جہاں گندھرپ کے دیوتے رہتے ہیں۔ اور وہاں سے آواز آتی ہے) یہ سب مل کر گویا مہاپرس کا پیٹ ہیں۔ قیامت صغریٰ کی آگ گویا مہاپرس کا ناشتہ ہے۔ اور قیامت صغریٰ میں پانی کا خشک ہو جاتا۔ گویا مہاپرس کی پیاس ہے۔ اور سرگ لوک (جو کہ بھولوک سے بالا تر ہے اور بہشت کے طبقات میں سے ایک طبقہ ہے) گویا مہاپرس کا سینہ ہے۔ کہ ہمیشہ خوشی اور آرام اسی میں ہوتا ہے۔ اور تمام ستارے گویا مہاپرس کے جواہرات ہیں۔ خدا تعالےٰ کا کسی کو بلا سوال کوئی چیز عطا فرما دینا گویا مہاپرس کا دایاں پستان ہے۔ اور سوال سے کسی کو کچھ مرحمت فرمانا گویا مہاپرس کا بایاں پستان ہے۔ اور اعتدال (رجوگن۔ ستوگن۔ تموگن جن کا مجموعہ پرکرت کہلاتا ہے) گویا مہاپرس کا دل ہے جس طرح کنول (پھول) کے تین رنگ ہیں۔ سفید۔ سرخ۔ بنفشی۔ اسی طرح دل (جو کہ کنول کی صورت کا ہوتا ہے) میں بھی تین صفتیں پائی جاتی ہیں۔ اور یہ تینوں صفتیں تین رنگوں میں ظہور پذیر ہوتی ہیں +

برہما۔ بشن۔ مہیش۔ (۱) برہما جس کو من بھی کہتے ہیں۔ مہاپرس کے دل کی حرکت اور ارادہ کا نام ہے۔ بشن مہاپرس کے رحم اور مہربانی کا نام ہے۔ اور مہیش مہاپرس کے غصے اور قہر کا نام ہے۔ چاند گویا مہاپرس کے مسکرانے اور خوش ہونے کو کہتے ہیں۔ اسی لئے چاند غم و اندیشہ کو دور کر دیتا ہے۔ کوہ سمیرپت گویا مہاپرس کی کمر ہے اور سمیرپت کے داہنے اور بائیں طرف والے پہاڑ گویا مہاپرس کی پسلیاں ہیں۔ اور آٹھ فرشتے جو کہ دنیا کے کوتوال ہیں۔ اور اندر جو کہ سب فرشتوں کا سردار ہے جس میں کمال درجہ کی طاقت پائی جاتی ہے۔ دنیا کو دینا یا نہ دینا۔ مینہ برسانا یا نہ برسانا۔ سب اسی اندر فرشتہ کے متعلق ہے۔ یہ آٹھوں فرشتے بمعہ اندر کے مہاپرس کے دونوں ہاتھ ہیں۔ داہنا ہاتھ دینے اور مینہ برسانے کا۔ اور بایاں ہاتھ نہ دینے اور بارش بند کرنے کا ہے۔ اپچھرا یعنی حوران بہشتی مہاپرس کے ہاتھوں کی ہتھیلیوں کی لکیریں ہیں۔ اور وہ فرشتے جن کو اہلِ ہند چھچھ کہتے ہیں۔ مہاپرس کے ہاتھوں کے ناخن ہیں۔ تین فرشتے لوک پال کے مہاپرس داہنے ہاتھ ہیں۔ اور جم فرشتہ مہاپرس کا بازو ہے

ل قیامت صغریٰ کے معنے ہیں قرب قیامت۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قرب قیامت کے وقت مشرق کی طرف سے ایک زبردست آگ آئیگی۔ جو سب کو دھکیلتی ہوئی مغرب کی طرف لے جائیگی۔ اس آگ کے ظہور کے بعد کسی کی توبہ قبول نہ ہوگی + (مترجم)

اور کوپال فرشتہ مہاپرس کا بایاں ہاتھ ہے۔ اور کلپ برچھ یعنی شجرۂ طوبیٰ مہاپرس کی لاٹھی ہے قطب جنوبی مہاپرس کا داہنا کندھا اور قطب شمالی بایاں کندھا ہے۔ اور برن لوکپال فرشتے کا نام ہے جس کے سپرد تمام مخلوقات کو پانی پہنچانا ہے۔ اور جو کہ مغرب کی طرف رہتا ہے۔ یہ برن فرشتہ ہمیشہ مہاپرس کی گردن کا منکہ ہے۔ اناہت یعنی سلطان الاذکار مہاپرس کی باریک آواز ہے۔ مہرلوک (جو کہ سرگ لوک سے اوپر ہے) مہاپرس کا گلا اور گردن ہے۔ اور جن لوک (جو کہ مہرلوک سے اوپر ہے) مہاپرس کا منہ مبارک ہے۔ خواہش جہاں مہاپرس کی ٹھوڑی ہے۔ جہاں میں جو حرص اور لالچ پایا جاتا ہے۔ یہ گویا مہاپرس کا نچلا ہونٹ ہے۔ اور شرم و حیاء مہاپرس اوپر والا ہونٹ ہے۔ اور محبت و اُلفت مہاپرس کے گویا مسوڑھے ہیں۔ اور تمام جہاں کی خوراک گویا مہاپرس کی خوراک ہے۔ اور عنصر آب مہاپرس کا منہ اور تالو ہے۔ اور عنصر آتش مہاپرس کی زبان ہے۔ اور سرستی مہاپرس کے بولنے کی طاقت ہے۔ اور چاروں بید مہاپرس کی صداقت اور سچائی ہے مایا۔ یعنی عشق (جس کے باعث تمام جہان پیدا ہوا) گویا مہاپرس کی ہنسی اور مذاق ہے اور جہاں کی آٹھوں سمتیں مہاپرس کے دو تو کان ہیں۔ اشنی۔ کمار (جو کہ نہایت خوبصورت فرشتے ہیں) مہاپرس کے ناک کے ہر دو اندرونی پردے ہیں۔ گندھ تن ماتر یعنی عنصر خاک مہاپرس کی قوت شامہ (سننے کی قوت) ہے۔ عنصر باد گویا مہاپرس کا سانس لینا ہے۔ جن لوک (بہشت کا پانچواں طبقہ) اور تپ لوک (بہشت کا چھٹا طبقہ) کا درمیانی حصہ جو کہ نور ذاتِ الٰہی سے بھرا ہوا ہے۔ اُس کا نصف جنوبی حصہ مہاپرس کی داہنی آنکھ اور نصف شمالی حصہ مہاپرس کی بائیں آنکھ ہے۔ اور اصلی نور (جس کو آفتاب ازلی کہتے ہیں) مہاپرس کی قوتِ باصرہ (دیکھنے کی طاقت) ہے۔ اور تمام مخلوقات مہاپرس کی نظرِ عنایت کا نتیجہ ہے۔ دن اور رات گویا مہاپرس کا آنکھ جھپکنا ہے۔ مِتر نامی فرشتہ (محبت کا فرشتہ) اور تو سنتا نامی فرشتہ (دشمنی اور غصہ کا فرشتہ) مہاپرس کے دو تو ابرو ہیں۔ پت لوک (جو کہ جن لوک سے اوپر واقع ہے) مہاپرس کی پیشانی۔ اور وہ لوک جو سب لوکوں بالا تر ہے مہاپرس کی کھوپری ہے۔ آیات توحید اور کتاب اللہ مہاپرس کا اُمّ الدماغ (مغز سر) ہے۔ سیاہ بادل۔ مہاپرس کے سر کے بال ہیں۔ اور تمام پہاڑوں کی نباتات (درخت پودے گھاس وغیرہ) مہاپرس کے بدن کے بال ہیں۔ اور لچھمی (دولت اور خوبصورتی) مہاپرس کی خوبصورتی اور حُسن ہے چمکتا ہوا سورج مہاپرس کے بدن کی صفائی ہے۔ بھوت اکاس مہاپرس کے بدن کے مسامات ہوں۔ چد اکاس

مہاپرس کے بدن کی رُوح ہے۔ ہر ایک آدمی کی صورت اور شکل مہاپرس کا گھر (خانۂ خدا) ہے۔ انسان کامل (نبی۔ ولی) مہاپرس کا خاص محل اور خلوت کی جگہ ہے چنانچہ خدا تعالےٰ نے داؤد علیہ السلام کو حکم دیا۔ کہ اے داؤد میرے لئے گھر بناؤ۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ خداوندا! تو گھر سے پاک ہے۔ فرمایا۔ کہ میرا دل دراصل تو ہی ہے۔ اپنے دل کو غیروں سے خالی رکھو۔ اور جو کچھ اس برھمانڈ (دنیا) میں مفصّل طور پر موجود ہے۔ وہ سب کچھ اجمالی طور پر انسان میں موجود ہے۔ اسی لئے انسان کو عالم کبیر کہتے ہیں۔ جس شخص کو اس قدر معرفت حاصل ہو جاوے۔ اسی کے لئے جیون مکت (زندگی کی نجات) ہے۔ اور اسی کے حق میں یہ آیت قرآنی نازل ہوئی ہے۔ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ یعنی اُن (اولیاء) کو جو کچھ خدا تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے دے رکھا ہے اُس سے وہ خوشحال ہیں۔ (یہ تو مکتی کی پہلی قسم تھی۔ اب مکتی کی دوسری قسم ملاحظہ ہو)۔ (۲) سرب مکت یعنی نجاتِ کامل۔ سرب مکت کے یہ معنی ہیں۔ کہ ذاتِ الٰہی میں فنا ہو جاوے۔ یہ سرب مکت تمام مخلوقات کو شامل ہے۔ قیامت کبریٰ کے بعد جب آسمان و زمین بہشت و دوزخ فنا ہو جاوینگے۔ اور برہمانڈ اور دن رات نابود ہو جاوینگے۔ تو تمام مخلوقات ذاتِ الٰہی میں فنا اور محو ہونے کے باعث نجات پا جاوے گی۔ اس مکتی کی طرف ان دو آیتوں میں اشارہ ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ یعنی خدا تعالےٰ کا فردوس بریں بہت بڑی نجات اور کامیابی ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ یعنی اولیاء اللہ کو نہ کسی قسم کا کوئی خوف و خطر ہے۔ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(۳) سرب دا مکت۔ یعنی آخری نجات سرب دا مکت کے یہ معنی ہیں۔ کہ جس فقر بھی عارف الٰہی سیر کرے خلاص اور نجات یافتہ ہو۔ خواہ وہ سیر دن میں ہو۔ یا رات میں۔ عالم ظاہر میں ہو یا عالم باطن میں۔ خواہ برہمانڈ نظر آئے یا نہ آئے۔ خواہ وہ سیر زمانہ گذشتہ میں ہو۔ یا موجودہ زمانہ میں۔ یا آئندہ زمانہ میں۔ اور جہاں جہاں قرآن مجید میں جَنّٰتٌ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا (ہمیشہ رہیں گے اُن بہشتوں میں) واقع ہوا ہے۔ وہاں جنت سے مراد معرفتِ الٰہی ہے۔ اور ابداً سے مراد اُس مکتی (نجات) کی ابدیّت (ہمیشگی) ہے۔ کیونکہ ہر جگہ معرفت الٰہی کی استعداد اور قابلیت اور فضل الٰہی درکار ہے۔ چنانچہ حسب ذیل دو آیتیں اسی اولیاء کی جماعت کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ خٰلِدِیْنَ

فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ۔ یعنی خدا تعالےٰ اُن (اولیاء) کو اپنی رحمت اور فردوس بریں اور اُن بہشتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں اُن کے لئے دائمی نعمتیں اور نہ ختم ہونے والی نجات ہے۔ بیشک خدا تعالےٰ کے ہاں ان کے لئے بڑا اجر ہے (۲) وَیُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ مَّاكِثِیۡنَ فِیۡهِ اَبَدًا ۙ یعنی خدا تعالےٰ اُن مؤمنوں کو خوشخبری دیتا ہے۔ جو نیک عمل کرتے ہیں۔ (معرفت الٰہی حاصل کرتے ہیں) کہ اُن (عارفانِ الٰہی) کے لئے اچھا اجر (فردوس اعلےٰ) ہے۔ وہ اس فردوس اعلےٰ میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۱- دن اور رات کا بیان

فقراء ہند کے نزدیک برہما یعنی جبرائیل علیہ السلام کی عمر اور برہمانڈ کے باقی رہنے کی مدت دنیا کے اٹھارہ انج سال ہے ہر ایک انج ایک ہزار برس کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وَاِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ یعنی خدا تعالےٰ کے ہاں دنیا داروں کے حساب کے مطابق ایک ہزار سال کا دن ہوتا ہے۔ نیز ارشاد باری ہے تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَیۡهِ فِیۡ یَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کریں گے۔ فرشتے خصوصاً جبرائیلؑ اُس روز (روزِ قیامت) جو پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ اور ان پچاس ہزار سال کا ہر ایک دن ایک ہزار برس کا ہوگا۔ جیسا کہ پہلی آیت میں صریحاً مذکور ہو چکا۔ پس ثابت ہوا۔ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی عمر اور دن کی عمر اور تمام برہمانڈ (جہان) کی مدت دنیا کے اٹھارہ انج سال ہے۔ ہر ایک انج ہزار برس کا ہوتا ہے۔ فقراء ہند کا یہی مسلک ہے۔

جاننا چاہیئے۔ کہ اٹھارہ کی خصوصیت فقراء ہند کے نزدیک آٹھ اور دس پر مخصوص ہے۔ اس سے زیادہ اُن کے ہاں کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ اور جو چھوٹی چھوٹی دنیائیں اس اثناء میں گذری ہیں۔ اُن کو کھنڈہ پرلی کہتے ہیں۔ جیسے پانی کا طوفان۔ یا آگ کا طوفان۔ یا ہوا کا طوفان۔ جب یہ مدت (اٹھارہ ہزار سال) ختم ہو جائیگی۔ تو دن (دنیا) شام (قیامت) بن جائیگا۔ اور قیامت کبریٰ (مہاپرلی) قائم ہو جائے گی۔ جیسا کہ حسب ذیل دو آیتوں میں مذکور ہے۔ (۱) یَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَیۡرَ الۡاَرۡضِ یعنی جس روز اس دنیاوی زمین کے بدلے میں کوئی اور زمین (قیامت کی زمین) لائی جاویگی۔ (۲) وَیَوۡمَ نَطۡوِی السَّمَآءَ

کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ یعنی جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹیں گے جس طرح کاغذ لکھنے کے لئے لپیٹا جاتا ہے۔ قیامت کبریٰ کے بعد شب بطون آئیگی۔ جو کہ روز ظہور کے برابر ہے۔ جس میں تمام مخلوقات خدا کی ذات میں فنا ہو جائیگی۔ یہ شب بطون بھی اٹھارہ ہزار سال کی ہے۔ او ستہاتم یعنی سکھوپت اور جبروت کی مدت حضرت ذات الٰہی ہے جو کہ جہاں کے پیدا کرنے اور فنا کرنے سے فارغ ہے۔ اسی سکھوپت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّھَا الثَّقَلٰنِ یعنی اسے انسانو اور جنو! ہم عنقریب تم سے فارغ ہو جائیں گے۔ حضرت ذات ظہورِ عالم کے زمانہ میں ناسوت کے مقام میں ہے۔ اور قیامت صغریٰ میں مقام ملکوت میں اور قیامت کبریٰ کے بعد مقام جبروت میں ہوگا +

اسے دوست جو کچھ میں نے دن رات کے متعلق لکھا ہے۔ یہ نہایت تحقیق و تدقیق سے اپنے کشف کے مطابق لکھا ہے۔ اور یہ میرا کشف ان مذکورہ دو آیتوں کے مطابق واقع ہوا ہے۔ یہ تحقیق گو تم نے کسی کتاب میں نہ دیکھی ہوگی۔ اور نہ کسی سے سنی ہوگی۔ لیکن تاہم اگر کسی ناقص العقل کو میری یہ تحقیق ناگوار معلوم ہو۔ تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ یعنی خداوند کریم جہان سے بے نیاز و بے پرواہ ہے +

۲۲۔ زمانہ کی بے انتہائی کا بیان

محققین اہل ہند کے نزدیک نہ صرف یہی ایک رات اور ایک دن ہے۔ بلکہ اُن کے علاوہ بھی دن راتیں ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور اس بے انتہاء گردش زمانہ کو اناد پرواہ کہتے ہیں۔ زمانہ کی اسی بے انتہائی کے خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا ہے ؎

ماجرای من و معشوق مرا پایان نیست ہرچہ آغاز ندارد نپذیرد انجام

یعنی میری اور میرے معشوق کی داستان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ کیونکہ جس چیز کا ابتدا (شروع) نہ ہو۔ اُس کی انتہا بھی نہیں ہوا کرتی۔ جو کچھ پچھلے دنوں اور راتوں میں خدا تعالےٰ کی صنعتیں ظہور پذیر ہو چکی ہیں۔ آئندہ کی دان اور راتوں میں بھی بعینہٖ وہی لوٹ کر آجائیں گی۔ جیسا کہ آیت میں صریحاً مذکور ہے کہ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ

نُعِيْدُهُ یعنی جس طرح ہم نے پہلی مرتبہ (دنیا میں) مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ پھر دوبارہ اسی کو پیدا کریں گے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ اس دورہ کے ختم ہونے کے بعد پھر بعینہٖ ابوالبشر آدم علیہ السلام پیدا ہوگا۔ علےٰ ہذا القیاس ہمیشہ اسی طرح یہ دورِ زمانہ گردش کرتا چلا جائیگا۔ نیز یہ آیت بھی اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے۔ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُوْدُوْنَ یعنی جس طرح ہم نے پہلے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اسی طرح ہم پھر تمہیں پیدا کرینگے۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے۔ کہ بے نہایتی ادوار سے تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا خاتم النّبیین ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ تو اُس کا جواب یہ ہے۔ کہ دوسرے دور میں بھی حضور علیہ السلام بعینہٖ پیدا ہوں گے۔ لہٰذا اُس دور میں بھی آپ خاتم الانبیاء ہی رہیں گے۔ چنانچہ یہ حدیث اسی مضمون کی مؤید ہے۔ کہ شبِ معراج کو حضور پُر نور علیہ السلام نے اونٹوں کی ایک بے انتہا قطار دیکھی۔ ہر ایک اونٹ پر دو دو صندوق لدے ہوئے تھے۔ اور ہر ایک صندوق میں اس جہان کی طرح ایک جہان تھا۔ اور ہر ایک جہان میں بعینہٖ اسی طرح کا ایک محمدؐ دیکھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے حضور نے دریافت فرمایا۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم جب سے میں پیدا ہوا ہوں۔ اس وقت سے میں اسی طرح دیکھ رہا ہوں۔ کہ اونٹوں کی بے انتہا قطار معہ صندوقوں کے جارہی ہے لیکن مجھے بھی یہ معلوم نہیں ہے۔ کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ دراصل یہ دوروں کی بے نہایتی کی طرف اشارہ ہے۔

خدا تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ محض اس کی توفیق سے رسالہ ہذا موسومہ "مجمع البحرین" ۱۰۶۵ھ میں (جب کہ اس خاکسار محمد دارا شکوہ کی عمر بیالیس سال کی تھی) ختم ہو گیا۔

۲۵۷/۱۴
الف ۳۶

ختم شد

روزِ محشر خدا زیرِ عرشِ علےٰ سایہ ہووے عطا قصرِ جنت میں جا
تیرا جلوہ ہو ان کو سدا یا رب

ہے دُعا ہے دعا ہے دُعا یا رب

جو آئے ہیں یہاں ملو مرادیں اُن کی سب لا کہ بے اولاد ہوں جتنے اُنہیں اولاد بھی لوا
دری خانے سے تیرے یا خدا خالی نہ کوئی جا تمناسب کی پوری کر عنایت اپنی کر دکھلا
تو ہے رب غنی تیرے کیا ہے کمی تیری شان بڑی نہیں رہتا کوئی
دیا کرتا ہے سب کو بھلا یا رب

ہے دعا ہے دعا ہے دعا یا رب

گنا ہو نپر ہمارے یا الٰہی تو نہیں جاتا گناہ کو دیکھ کر بھی تو عطا روزی ہے فرماتا
کریمی اور رحیمی شان کے صدقے تری داتا بدی بندوں کی ہوا وگن پہ گُن تو کر کے دکھلاتا
تیرا لطف عمیم میرے رب رحیم تیرا فضل قدیم تو ہے دانا حکیم
تیری حکمت ہے سب سے جُدا یا رب

ہے دعا ہے دعا ہے دُعا یا رب

الٰہی یہ دُعائے قیس بھی مقبول ہو جائے ہر اک بندہ عبادت میں تری مشغول ہو جائے
الٰہی فضل تیرا ہم اوپر مبذول ہو جائے ہو حسن خاتمہ ذکر خدا معمول ہو جائے
کریں یادِ خدا پڑھیں کلمہ دعا ہو تلاوت ادا تیرا قرآں سدا
رہے ورد میں صبح و مسا یا رب

ہے دعا ہے دعا ہے دُعا یا رب

تمام شد